OPEN ACCESS
Al-ISRA
﴾ International Journal of Islamic Thought ﴿
***ISSN*: 2959-3603**
www.israjr.com

Al-ISRA
Vol.:4, Issue: 2, July - December 2025 PP: 185-207

تفسیر مفہوم القرآن از رفعت اعجاز میں سائنسی اشارات کی تفہیم: معاصر تقاضوں کے تناظر میں ایک مطالعہ

Understanding Scientific Indications in Tafsir Mafhoom-Ul-Quran by Riffat Aijaz: A Study in the Context of Contemporary Requirements

Dr. Shazia
Assistant Professor, Department of Islamic Studies, Government College Women University Faisalabad
Email: shaziaadnan@gcwuf.edu.pk

Taiba Ramzan
M.Phil Scholar, Department of Islamic Studies, Government College Women University Faisalabad
Email: taibaramzan23@gmail.com

Abstract

This study examines the understanding of scientific indications in Riffat Aijaz's Mafhoom-ul-Quran in the context of contemporary intellectual and scientific requirements. Mafhoom-ul-Quran is an Urdu translation and explanatory work presented in an accessible style, and available bibliographic descriptions identify it as a six-volume work authored by Riffat Aijaz. The research adopts descriptive, analytical, comparative and critical methods. The Qur'an and Mafhoom-ul-Quran constitute the primary textual sources, while classical commentaries, Arabic lexicons and selected modern scientific discussions are used for comparison. Selected themes include cosmic creation, water and life, embryological development, bees, celestial bodies and environmental balance. The study argues that Qur'anic references to nature invite reflection rather than function as a technical scientific textbook. Contemporary science can therefore illuminate the observational dimension of these verses, but scientific hypotheses should not be imposed as the definitive meaning of revelation. The study concludes that the strength of Aijaz's approach lies in accessibility and contemporary relevance, while scientific interpretation requires methodological caution, textual context and awareness of the changing nature of scientific models.

***Keywords**: Mafhoom-ul-Quran, Riffat Aijaz, scientific indications, Qur'anic exegesis, Qur'an and science, contemporary interpretation.*

CC BY

تمہید

قرآن مجید انسان کو کائنات، انسان اور فطرت کے مظاہر پر غور کرنے کی دعوت دیتا ہے۔ آسمانوں اور زمین کی تخلیق، رات اور دن کا اختلاف، بارش، نباتات، حیوانات، انسانی پیدائش اور قدرتی نظم جیسے موضوعات قرآن کے متعدد مقامات پر آتے ہیں۔ ان آیات کا مقصد محض طبیعیاتی معلومات فراہم کرنا نہیں بلکہ انسان کو قدرتِ الٰہی، نظمِ کائنات اور اپنی ذمہ داری کے شعور تک پہنچانا ہے۔

جدید سائنس نے کائنات اور حیات کے بارے میں انسانی معلومات کو غیر معمولی وسعت دی ہے۔ اس علمی انقلاب نے قرآن کے تکوینی بیانات کو نئے سوالات کے ساتھ پڑھنے کی ضرورت پیدا کی۔ معاصر مفسرین نے مختلف انداز اختیار کیے :بعض نے سائنسی حقائق کو قرآنی اعجاز سے جوڑا، بعض نے انہیں تدبر کے معاون کے طور پر استعمال کیا، جبکہ بعض نے سائنسی تطبیق کے خطرات کی نشاندہی کی۔

رفعت اعجاز کی" مفہوم القرآن "اسی جدید فکری ماحول میں قابلِ مطالعہ ہے۔ کتابی تعارف کے مطابق یہ چھ جلدوں پر مشتمل ہے اور مصنفہ نے اسے اس انداز میں مرتب کیا کہ قرآن کے معانی عام قاری اور طلبہ کے لیے آسانی سے قابلِ فہم ہوں۔

اس تحقیق کا امتیاز یہ ہے کہ مفہوم القرآن کو صرف عمومی تفسیری منہج کے طور پر نہیں بلکہ خصوصی طور پر سائنسی اشارات کی تفہیم کے حوالے سے دیکھا جائے گا۔

رفعت اعجاز اور مفہوم القرآن کا تعارف:

رفعت اعجاز کی" مفہوم القرآن "ایک اردو ترجمہ و تفسیر ہے۔ دستیاب تعارفی مواد کے مطابق مصنفہ نے قرآن کے معانی کو آسان اور عام فہم زبان میں پیش کرنے کی کوشش کی، یہاں تک کہ کتابی تعارف میں اسکول و کالج کے طلبہ کی ذہنی سطح کو بھی پیشِ نظر رکھنے کا ذکر ملتا ہے۔

کتاب کے مختلف جلدی ایڈیشنز کے تعارف سے معلوم ہوتا ہے کہ مفہوم القرآن کو بیت القرآن لاہور سے شائع کیا گیا اور اس کی جلدیں الگ الگ فراہم کی گئی ہیں۔ مثال کے طور پر جلد چہارم کے دستیاب تعارف میں مصنفہ رفعت اعجاز اور 244 صفحات درج ہیں۔[1]

مفہوم القرآن کا تفسیری منہج:

مفہوم القرآن کے منہج کا پہلا نمایاں پہلو آسان اور رواں زبان ہے۔ قرآن کے پیغام کو ایسی اردو میں منتقل کرنا جو غیر عربی داں قاری کے لیے قابلِ فہم ہو، اس تصنیف کا اہم مقصد معلوم ہوتا ہے۔ اس خصوصیت کی وجہ سے یہ کام روایتی مشکل تفسیری اسلوب کے بجائے تعلیمی اور دعوتی مزاج اختیار کرتا ہے۔

دوسرا پہلو ترجمہ اور تشریح کے باہمی تعلق سے متعلق ہے۔ مفہوم القرآن صرف لفظی ترجمہ پیش کرنے تک محدود نہیں بلکہ آیات کے مفہوم کو توضیحی انداز میں سامنے لانے کی کوشش کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسے صرف ترجمہ نہیں بلکہ ترجمہ و تفسیر دونوں کے طور پر متعارف کرایا جاتا ہے۔

تیسرا پہلو معاصر قاری کی ذہنی سطح کو ملحوظ رکھنا ہے۔ یہ خصوصیت سائنسی اشارات کی تفہیم میں

خاص اہمیت رکھتی ہے، کیونکہ جدید قاری کائنات، حیاتیات اور انسانی جسم کے متعلق سائنسی معلومات رکھتا ہے۔[2]

تاہم آسانی اور اختصار کے ساتھ علمی دقت کو برقرار رکھنا بھی ضروری ہے۔ تفسیر میں جب سائنسی مفاہیم زیرِ بحث آئیں تو عربی لفظ کے اصل دائرۂ معنی، سیاقِ آیت اور کلاسیکی تفسیری روایت کو بھی ملحوظ رکھنا چاہیے۔[3]

سائنسی اشارات : مفہوم اور تفسیری پس منظر:

سائنسی اشارات سے مراد قرآن کی وہ آیات ہیں جن میں کائنات، حیات، انسانی تخلیق یا قدرتی مظاہر کا ذکر ہے اور جنہیں جدید مشاہداتی علم کی روشنی میں مزید سمجھا جا سکتا ہے۔ اس اصطلاح کو سائنسی اعجاز کے مترادف نہیں سمجھنا چاہیے۔[4]

قرآن کی آیاتِ تکوینیہ انسان کو مشاہدے، تدبر اور تعقل کی دعوت دیتی ہیں۔" إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ "جیسے بیانات میں کائنات کے مشاہدے کو ایمان کے استدلال سے جوڑا گیا ہے۔[5]

کلاسیکی تفاسیر کے مطالعے سے واضح ہوتا ہے کہ مفسرین نے کائناتی اور تکوینی آیات کی تشریح مختلف علمی مناہج کے تحت کی ہے۔ بعض مفسرین نے ان آیات کے مفردات اور تراکیب کی لغوی و نحوی تحقیق کو بنیادی اہمیت دی، بعض نے احادیث، آثارِ صحابہ و تابعین اور مرویات کی روشنی میں ان کی توضیح کی، جبکہ بعض اہلِ تفسیر نے عقلی استدلال، کلامی مباحث اور مشاہداتی حقائق سے بھی مدد لی۔ امام طبری، ابن کثیر، قرطبی، فخر الدین رازی اور ابن عاشور جیسے مفسرین کے ہاں کائنات، آسمان و زمین، اجرامِ فلکی، بارش، نباتات، انسانی تخلیق اور دیگر تکوینی مظاہر کے متعلق مختلف نوعیت کی تفسیری آراء ملتی ہیں۔[6] اس سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ قرآن کی کائناتی آیات ہمیشہ سے اہلِ علم کے لیے غور و فکر اور تدبر کا اہم میدان رہی ہیں۔

جدید سائنسی علوم کی ترقی نے ان کائناتی مظاہر کے مشاہدے، تجربے اور تجزیے کے نئے ذرائع فراہم کیے ہیں۔ فلکیات، طبیعیات، حیاتیات، طب، ارضیات اور ماحولیاتی علوم میں ہونے والی تحقیقات نے کائنات اور انسانی وجود کے متعدد پہلوؤں کو پہلے کے مقابلے میں زیادہ تفصیل سے سمجھنے کا موقع دیا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید کی ان آیات کا جدید علمی تناظر میں مطالعہ ایک مفید اور قابلِ توجہ تحقیقی جہت بن چکا ہے۔ تاہم اس سلسلے میں بنیادی علمی احتیاط یہ ہے کہ کسی جدید سائنسی نظریے یا مفروضے کو قرآن مجید کی آیت کا قطعی اور حتمی مفہوم قرار نہ دیا جائے۔ سائنسی علم اپنی نوعیت کے اعتبار سے مسلسل تحقیق، تجربے اور نظرِ ثانی کے مراحل سے گزرتا ہے؛ اس لیے جو نظریہ ایک دور میں غالب اور مسلم سمجھا جاتا ہے، ممکن ہے بعد کی تحقیقات میں اس کی تعبیر یا توضیح میں تبدیلی واقع ہو جائے۔

اسی تناظر میں رفعت اعجاز کی ''مفہوم القرآن'' کا مطالعہ زیادہ متوازن علمی زاویے سے کیا جانا چاہیے۔ ان کی تفسیر میں قرآن کے مفاہیم کو عصرِ حاضر کے قاری کے لیے قابلِ فہم بنانے کی کوشش نمایاں ہے۔ سائنسی اور تکوینی آیات کے مطالعے میں جدید علمی معلومات قاری کے لیے ان مظاہر کے مشاہداتی پہلو کو سمجھنے میں معاون ثابت ہو سکتی ہیں، لیکن قرآن کے مفہوم کا تعین صرف جدید سائنسی نظریات کی بنیاد پر نہیں کیا جا سکتا۔ قرآن مجید کی آیت کے مفہوم کے تعین میں عربی زبان کے اصول، لفظ کے لغوی دائرۂ معنی، آیت کا سیاق و سباق، قرآن کا مجموعی اسلوب، دیگر متعلقہ قرآنی آیات اور معتبر تفسیری روایت بنیادی

حیثیت رکھتے ہیں۔[7]

اس لیے رفعت اعجاز کے تفسیری منہج کو سمجھتے ہوئے یہ اصول پیشِ نظر رہنا چاہیے کہ جدید سائنس قرآن فہمی کے لیے ایک معاون ذریعہ تو بن سکتی ہے، لیکن قرآن کی تفسیر کا واحد یا حتمی معیار نہیں بن سکتی۔ سائنسی معلومات آیات کونیہ میں موجود تدبری امکانات کو نمایاں کر سکتی ہیں اور جدید انسان کے لیے ان آیات کی معنوی معنویت کو زیادہ واضح بنا سکتی ہیں، مگر اس کے باوجود قرآنی نص کو کسی مخصوص سائنسی ماڈل کا تابع بنانا درست نہیں ہوگا۔ بہتر علمی طریقہ یہ ہے کہ پہلے آیت کے اصل لغوی، تفسیری اور سیاقی مفہوم کو متعین کیا جائے، پھر جدید سائنسی معلومات کی روشنی میں اس کے تکوینی پہلوؤں پر غور کیا جائے۔

اس منہج سے ایک طرف قرآن مجید کی مستقل اور آفاقی ہدایت محفوظ رہتی ہے اور دوسری طرف جدید علمی تحقیقات سے استفادے کا دروازہ بھی کھلا رہتا ہے۔ یوں قرآن اور سائنس کے درمیان تعلق کو تصادم یا غیر ضروری تطبیق کے بجائے تدبر، تحقیق اور علمی مکالمے کے تناظر میں سمجھا جا سکتا ہے۔ یہی متوازن طرزِ فکر معاصر تفسیر کے لیے زیادہ مفید ہے اور رفعت اعجاز کی ''مفہوم القرآن'' میں سائنسی اشارات کے مطالعے کے لیے بھی ایک مناسب تحقیقی بنیاد فراہم کرتا ہے۔

آسمان وزمین کی تخلیق اور کائنات کی وسعت:

سورۂ انبیاء کی آیت 30 میں آسمان وزمین کے ''رتق'' اور ''فتق'' کا ذکر کیا گیا ہے۔ ''رتق'' کے معنی باہم جڑے یا بند ہونے کے ہیں، جبکہ ''فتق'' کے معنی کھولنے یا جدا کرنے کے آتے ہیں۔ جدید علمِ کائنات میں کائنات کی ابتدائی حالت اور اس کے بعد ہونے والی تبدیلیوں اور پھیلاؤ کے بارے میں مختلف نظریات موجود ہیں۔ اس آیت کو ان جدید علمی مباحث کے ساتھ تقابلی طور پر پڑھا جا سکتا ہے، تاہم آیت کو کسی ایک مخصوص کائناتی نظریے کا مکمل بیان قرار دینا علمی احتیاط کے خلاف ہوگا۔ قرآنی تعبیر کا مفہوم اپنے لغوی، سیاقی اور تفسیری دائرے میں زیادہ وسیع ہے۔[8]

''مفہوم القرآن'' میں ایسے مقامات کو عصرِ حاضر کے قاری کے لیے آسان اور قابلِ فہم انداز میں پیش کرنا ایک اہم تفسیری امکان ہے۔ آسمان وزمین کی تخلیق، ان کے باہمی نظم اور کائنات کی وسعت پر غور انسان کو اپنے محدود وجود سے آگے دیکھنے اور اللہ تعالیٰ کی قدرت وحکمت کو سمجھنے کی دعوت دیتا ہے۔ اس طرح کائناتی مظاہر کا مطالعہ محض معلومات کا ذریعہ نہیں رہتا بلکہ انسان کے اندر تدبر، عاجزی اور معرفتِ الٰہی کا احساس بھی پیدا کرتا ہے۔[9]

اسی طرح سورۂ ذاریات کی آیت 47 میں ارشاد فرمایا گیا ہے: وَالسَّمَاءَ بَنَيْنَاهَا بِأَيْدٍ وَإِنَّا لَمُوسِعُونَ۔ جدید دور میں ''لَمُوسِعُونَ'' کے لفظ کو کائنات کی وسعت کے تصور کے ساتھ مربوط کیا جاتا ہے، لیکن عربی لغت اور کلاسیکی تفسیری روایت میں اس لفظ کی دلالت کے متعدد پہلو موجود ہیں۔ اس لیے اسے براہِ راست موجودہ کائناتی نظریات کا قطعی بیان قرار دینے کے بجائے جدید علمی مشاہدات کے ساتھ ایک قابلِ غور مطابقت کے طور پر بیان کرنا زیادہ محتاط اور علمی طرزِ عمل ہے۔[10]

اس مقام پر ''مفہوم القرآن'' کا عصرِ حاضر کے قاری سے مکالمہ قائم کرنے والا آسان اور توضیحی اسلوب مفید ثابت ہو سکتا ہے۔ جدید انسان کائنات کی وسعت اور اس کے پیچیدہ نظام سے متعلق بہت سی معلومات رکھتا ہے؛ جب وہ قرآن مجید کی ان آیات کا مطالعہ کرتا ہے تو ان میں موجود تکوینی اور تدبری پہلو اس کے لیے مزید قابلِ توجہ ہو جاتے ہیں۔ تاہم اس تمام مطالعے میں آیت کے بنیادی ایمانی، اخلاقی اور ہدایتی مقصد کو مرکزی حیثیت حاصل رہنی چاہیے۔ قرآن مجید کا مقصد محض کائنات کے مادی پھیلاؤ کی وضاحت کرنا نہیں بلکہ انسان کو کائنات کے نظم کے ذریعے اس کے خالق کی قدرت، حکمت اور عظمت پر غور

کرنے کی دعوت دینا ہے۔[11]

پانی اور حیات:

سورۂ انبیاء کی آیت 30 میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ، یعنی ''اور ہم نے ہر جاندار چیز کو پانی سے پیدا کیا۔'' یہ آیت پانی اور حیات کے باہمی تعلق کی طرف نہایت واضح انداز میں توجہ دلاتی ہے۔ موجودہ حیاتیاتی علم کے مطابق پانی زندگی کے بنیادی کیمیائی اور حیاتیاتی نظاموں کے لیے نہایت اہم حیثیت رکھتا ہے۔ جانداروں کے جسمانی نظام، خلیاتی سرگرمیوں اور بہت سے حیاتیاتی افعال میں پانی بنیادی کردار ادا کرتا ہے۔ اس اعتبار سے قرآنی بیان اور موجودہ علمی مشاہدات کے درمیان ایک قابلِ غور تعلق ضرور پیدا ہوتا ہے۔[12]

تاہم اس آیت کا مفہوم صرف پانی کی حیاتیاتی اہمیت بیان کرنے تک محدود نہیں۔ آیت کا سیاق کائنات کی تخلیق، آسمان و زمین کے نظام اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کی طرف انسان کی توجہ دلاتا ہے۔ اس لیے پانی اور حیات کے تعلق سے متعلق موجودہ علمی معلومات کو آیت کے ایمانی اور تکوینی مفہوم کے معاون کے طور پر دیکھنا چاہیے، نہ کہ اس کے مکمل مفہوم کا قائم مقام سمجھنا چاہیے۔

رفعت اعجاز کی ''مفہوم القرآن'' کے آسان اور توضیحی اسلوب میں اس نوعیت کے موضوعات عام قاری کے لیے زیادہ قابلِ فہم بن سکتے ہیں۔ موجودہ دور کی قرآن فہمی میں یہ ایک مثبت پہلو ہے کہ انسان اپنے مشاہدات اور علمی معلومات کو قرآن کے تدبری مزاج کے ساتھ مربوط کرے اور کائنات کے مظاہر میں اللہ تعالیٰ کی قدرت اور حکمت پر غور کرے۔ تاہم علمی دیانت کا تقاضا یہ ہے کہ موجودہ حیاتیاتی تحقیقات کے نتائج کو قرآن کے الفاظ کا لفظی مترادف قرار نہ دیا جائے۔

پانی اور حیات کا باہمی تعلق ایک وسیع حیاتیاتی حقیقت ہے، جبکہ قرآن مجید کی مذکورہ آیت اس سے کہیں زیادہ جامع ایمانی اور تکوینی مفہوم رکھتی ہے۔ اس لیے زیادہ محتاط اور متوازن طرزِ فکر یہی ہے کہ جدید علمی معلومات کو قرآن کے مفہوم کی تائید اور تدبر کے ایک ذریعہ کے طور پر استعمال کیا جائے، جبکہ آیت کے اصل لغوی، سیاقی اور ایمانی مفہوم کو بنیادی حیثیت حاصل رہے۔

انسانی تخلیق اور جنینی مراحل:

سورۂ مؤمنون کی آیات 12 تا 14 میں انسانی تخلیق کے مختلف مراحل کا ذکر نہایت بامعنی انداز میں کیا گیا ہے۔ نطفہ، علقہ اور مضغہ جیسی تعبیرات انسانی تخلیق کے تدریجی مراحل کی طرف توجہ دلاتی ہیں۔ موجودہ علمِ جنین نے انسانی جنین کی نشوونما کے مختلف مراحل کو نہایت تفصیل سے واضح کیا ہے، جس سے انسانی تخلیق کے پیچیدہ اور منظم عمل کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔[13]

قرآنی الفاظ کا موجودہ علمِ جنین کی اصطلاحات کے ساتھ تقابل کرتے وقت عربی لغت، لفظ کے اصل مفہوم اور آیت کے سیاق و سباق کو بنیادی حیثیت دینا ضروری ہے۔ خصوصاً ''علقہ'' کے مفہوم کو صرف کسی ایک جدید طبّی اصطلاح تک محدود نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ عربی زبان میں اس لفظ کے متعدد لغوی اور تشبیہی پہلو پائے جاتے ہیں۔ اسی طرح ''مضغہ'' بھی اپنے لغوی مفہوم اور قرآنی سیاق کے اندر ایک وسیع معنی رکھتا ہے۔

اس مقام پر ''مفہوم القرآن'' کا سادہ اور توضیحی انداز قاری کو انسانی تخلیق کے مراحل پر غور و فکر اور اپنی حقیقتِ وجود کو

سمجھنے کی دعوت دے سکتا ہے۔ تاہم ان آیات کے بارے میں قطعی سائنسی اعجاز کا دعویٰ کرنے کے بجائے ''تکوینی اشارے'' اور ''قابلِ تدبر مطابقت'' کی تعبیر زیادہ محتاط اور علمی ہے۔ قرآن مجید کا بنیادی مقصد انسانی جنین کی مکمل طبّی کتاب پیش کرنا نہیں، بلکہ انسان کو اپنی تخلیق، اللہ تعالیٰ کی قدرت، اپنی عاجزی اور آخرت میں جواب دہی کا احساس دلانا ہے۔

شہد کی مکھی اور فطری رہنمائی:

سورۂ نحل کی آیات 68 اور 69 میں شہد کی مکھی کے گھروں کی تعمیر، مختلف پھلوں سے غذا حاصل کرنے اور اپنے رب کی مقرر کردہ راہوں پر چلنے کا ذکر نہایت بامعنی انداز میں کیا گیا ہے۔ یہ آیات اس حقیقت کی طرف توجہ دلاتی ہیں کہ ایک بظاہر معمولی مخلوق بھی اپنے اندر حیرت انگیز نظم، باہمی تعاون اور فطری صلاحیتوں کا ایسا نظام رکھتی ہے جو اللہ تعالیٰ کی قدرت اور حکمت کی نمایاں نشانی ہے۔ جدید حیاتیاتی تحقیقات نے شہد کی مکھیوں کے باہمی نظم، راستوں کی شناخت، باہمی رابطے اور شہد کی تیاری کے مراحل کو تفصیل سے واضح کیا ہے، جس سے ان کے منظّم طرزِ زندگی کی حیرت انگیز خصوصیات سامنے آتی ہیں۔

آیات میں ''وَأَوْحَىٰ رَبُّكَ إِلَى النَّحْلِ'' کے الفاظ وارد ہوئے ہیں۔ یہاں ''وحی'' سے مراد انسانی انبیاء کی طرف کی جانے والی وحی لینا ضروری نہیں، بلکہ تفسیری سیاق میں اس سے فطری رہنمائی، الہام اور جبلّی ہدایت کے مفاہیم مراد لیے گئے ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے شہد کی مکھی کے اندر ایسی فطری صلاحیتیں ودیعت فرمائی ہیں جن کے ذریعے وہ اپنے مسکن بناتی، غذا حاصل کرتی اور اپنے مقررہ طریقے کے مطابق زندگی بسر کرتی ہے۔[14]

ان آیات کی اہمیت اس پہلو سے بھی نمایاں ہے کہ قرآن مجید انسان کو ایک چھوٹی سی مخلوق کے منظّم طرزِ زندگی میں بھی قدرتِ الٰہی کی نشانیاں دیکھنے کی دعوت دیتا ہے۔ جدید حیاتیاتی علم اس نظم کے ظاہری اسباب اور طریقۂ کار کو سمجھنے میں مدد دیتا ہے، جبکہ قرآن مجید اسی مشاہدے کو ایمان، تدبر اور معرفتِ الٰہی کی سمت عطا کرتا ہے۔ ''مفہوم القرآن'' کے تناظر میں یہ موضوع اس بات کی ایک اچھی مثال بن سکتا ہے کہ قرآنی تکوینی اشارات کو جدید علمی معلومات کے ساتھ مربوط کرتے ہوئے بھی قرآن کے بنیادی ہدایتی اور ایمانی پیغام کو مرکز میں رکھا جا سکتا ہے۔

سورج، چاند اور کائناتی حرکت:

قرآن مجید میں سورج، چاند اور دیگر اجرامِ فلکی کا ذکر متعدد مقامات پر نہایت بامعنی انداز میں آیا ہے۔ ان آیات میں کبھی سورج اور چاند کے مقررہ نظام، کبھی ان کی حرکات، کبھی ان کے حساب اور کبھی رات اور دن کے باہمی اختلاف کو اللہ تعالیٰ کی قدرت اور کائنات کے منظّم نظام کی نشانی کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ سورۂ یٰس کی آیت 38 میں ارشاد فرمایا گیا :وَالشَّمْسُ تَجْرِي لِمُسْتَقَرٍّ لَهَا، یعنی سورج اپنے مقررہ نظام کے مطابق جاری ہے۔ اسی طرح سورۂ انبیاء، سورۂ یونس، سورۂ رحمٰن اور دیگر مقامات پر سورج، چاند، رات اور دن کے باہمی نظم کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔[15] ان آیات کا مجموعی مطالعہ اس حقیقت کو نمایاں کرتا ہے کہ قرآن مجید کائنات کو بے ترتیب اور بے مقصد مظاہر کا مجموعہ نہیں بلکہ ایک منظّم اور حکیمانہ نظام کے طور پر انسان کے سامنے پیش کرتا ہے۔

سورۂ یٰس کی مذکورہ آیت میں ''تجری'' کا لفظ خاص طور پر قابلِ غور ہے۔ عربی زبان میں اس کے بنیادی معنی جاری ہونے، چلنے اور حرکت کرنے کے ہیں۔ قرآن مجید میں یہ تعبیر سورج کے لیے استعمال ہوئی ہے، جس سے اس کے ایک منظّم نظام کے تحت جاری رہنے کا مفہوم سامنے آتا ہے۔ جدید فلکیات نے یہ حقیقت واضح کی ہے کہ سورج ساکن جسم نہیں بلکہ اپنی

مختلف حرکات رکھتا ہے اور ہماری کہکشاں کے نظام میں بھی حرکت کرتا ہے، جبکہ زمین بھی اپنے محور کے گرد گردش اور سورج کے گرد گردش سمیت متعدد حرکات میں مصروف ہے۔[16] دیگر اجرامِ فلکی بھی اپنے اپنے نظام اور باہمی کشش کے تحت مختلف حرکات رکھتے ہیں۔ اس اعتبار سے قرآن مجید کی کائناتی آیات جدید فلکیاتی مشاہدات کے ساتھ غور و فکر کے ایک وسیع میدان کی تشکیل کرتی ہیں۔

تاہم ان آیات کی تفسیر میں علمی احتیاط نہایت ضروری ہے۔ قرآن مجید کی زبان صرف جدید سائنسی اصطلاحات کی زبان نہیں بلکہ وہ انسان کے عمومی مشاہدے، فہم اور ادراک سے بھی خطاب کرتی ہے۔ اس لیے "جریان"، "حرکت"، "طلوع"، "غروب" اور دیگر کائناتی تعبیرات کو براہِ راست جدید فلکیاتی اصطلاحات کا مکمل مترادف قرار دینا ضروری نہیں۔ قرآن کا بیان اپنے اصل لغوی، بلاغی اور سیاقی دائرے میں ایک وسیع مفہوم رکھتا ہے، جبکہ جدید فلکیات انہی مظاہر کو ریاضیاتی، مشاہداتی اور تجرباتی طریقوں سے بیان کرتی ہے۔ دونوں تعبیرات کے درمیان تعلق ضرور قائم کیا جا سکتا ہے، لیکن ان کو مکمل طور پر ایک ہی علمی زبان قرار دینا مناسب نہیں۔

قرآن مجید میں سورج اور چاند کے حوالے سے "حساب" کا تصور بھی نہایت اہم ہے۔ سورۂ رحمٰن میں فرمایا گیا : الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ، یعنی سورج اور چاند ایک مقررہ حساب کے مطابق ہیں۔ اسی طرح سورۂ یونس میں چاند کی منزلوں اور سورج کی روشنی کے ذریعے وقت کے حساب اور سالوں کی گنتی کے امکان کی طرف اشارہ ملتا ہے۔ ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ کائنات میں موجود اجرامِ فلکی کا نظام انسانی زندگی کے وقت، دن، مہینے اور سال کے تعین سے بھی گہرا تعلق رکھتا ہے۔ جدید فلکیات اور تقویمی علوم نے اس نظام کے مشاہدے اور حساب کو مزید دقیق بنایا ہے، لیکن قرآن اس پورے نظام کو انسان کے لیے اللہ تعالیٰ کی قدرت اور حکمت کی نشانی کے طور پر پیش کرتا ہے۔

چاند کی مختلف منزلوں کا ذکر بھی قرآن مجید میں غور و فکر کے لیے اہم مقام رکھتا ہے۔ سورۂ یٰس میں چاند کے لیے مختلف منازل کا ذکر کیا گیا ہے اور اس کے نظام کو ایک مقررہ ترتیب کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ انسان نے قدیم زمانے سے چاند کی حرکات کو وقت کے تعین، عبادات اور معاشرتی معاملات کے لیے استعمال کیا ہے۔ اسلامی تقویم بھی چاند کی گردش سے وابستہ ہے۔ اس اعتبار سے قرآن مجید کی کائناتی آیات انسانی زندگی اور آسمانی نظام کے باہمی تعلق کو بھی نمایاں کرتی ہیں۔

رفعت اعجاز کی "مفہوم القرآن" کے معاصر اور آسان اسلوب میں ان کائناتی مظاہر کی توضیح جدید قاری کے لیے خاص اہمیت رکھتی ہے۔ موجودہ دور کا قاری سورج، چاند، زمین اور دیگر اجرامِ فلکی کے متعلق جدید معلومات رکھتا ہے۔ جب وہ قرآن مجید کی ان آیات کا مطالعہ کرتا ہے تو اس کے ذہن میں کائنات کے متعلق موجودہ علمی تصورات بھی ہوتے ہیں۔ ایک عام فہم تفسیر اس قاری کو قرآن کے اصل پیغام سے جوڑنے میں اس وقت زیادہ کامیاب ہو سکتی ہے جب وہ جدید ذہنی پس منظر کو نظر انداز کیے بغیر قرآنی الفاظ اور مفاہیم کی بنیادی معنویت کو محفوظ رکھے۔[17]

اس ضمن میں یہ بات بھی اہم ہے کہ قرآن مجید کی کائناتی آیات کو جدید فلکیات کی مکمل درسی کتاب سمجھنا درست نہیں۔ قرآن کا مقصد اجرامِ فلکی کے تمام طبیعی قوانین، حرکات کے ریاضیاتی فارمولے یا کائناتی نظام کی سائنسی تفصیلات بیان کرنا نہیں، بلکہ ان مظاہر کے ذریعے انسان کو اللہ تعالیٰ کی قدرت، حکمت اور تخلیقی نظم کی طرف متوجہ کرنا ہے۔ قرآن انسان کو یہ احساس دلاتا ہے کہ جس کائنات میں سورج اور چاند اپنے مقررہ نظام کے مطابق جاری ہیں، وہ ایک حکیم اور قادر خالق کی تخلیق

ہے۔

جدید فلکیاتی تحقیقات نے کائنات کے حجم، اجرامِ فلکی کی حرکات، ستاروں کی پیدائش و موت، کہکشاؤں کے نظام اور کائناتی ساخت کے بارے میں انسانی معلومات کو بے حد وسیع کیا ہے۔ ان تحقیقات کے ذریعے انسان کائنات کی پیچیدگی اور وسعت کو پہلے سے کہیں زیادہ گہرائی سے سمجھ سکتا ہے۔ لیکن یہ سائنسی معلومات قرآن کے بنیادی ہدایتی مقصد کی جگہ نہیں لے سکتیں۔ جدید فلکیات ہمیں یہ بتانے میں مدد دیتی ہے کہ بعض کائناتی مظاہر کس طرح وقوع پذیر ہوتے ہیں، جبکہ قرآن ہمیں ان مظاہر میں غور کر کے خالق، مقصدِ حیات اور انسانی ذمہ داری کے بارے میں سوچنے کی دعوت دیتا ہے۔

اس لیے قرآن اور فلکیات کے درمیان تعلق کو سمجھنے کا زیادہ متوازن طریقہ یہ ہے کہ جدید علمی معلومات کو قرآنی آیات کے تدبری امکانات کو واضح کرنے کے لیے معاون ذریعہ سمجھا جائے، نہ کہ قرآن کے مفہوم کا واحد معیار۔ اگر کسی سائنسی نظریے کو آیت کا قطعی مفہوم قرار دے دیا جائے اور بعد میں وہ نظریہ تبدیل ہو جائے تو غیر ضروری علمی اشکالات پیدا ہو سکتے ہیں۔ اس کے برعکس اگر آیت کے لغوی، تفسیری اور سیاقی مفہوم کو بنیادی حیثیت دیتے ہوئے جدید فلکیاتی معلومات سے تقابلی استفادہ کیا جائے تو قرآن کی آفاقیت بھی برقرار رہتی ہے اور جدید علم سے استفادہ بھی ممکن ہوتا ہے۔

رفعت اعجاز کے تفسیری منہج کے حوالے سے اس پہلو کی خاص اہمیت ہے کہ ان کی آسان اور عام فہم تعبیر کائناتی آیات کو جدید قاری کے لیے قابلِ فہم بنانے میں معاون ثابت ہو سکتی ہے۔ تاہم تحقیقی سطح پر ضروری ہے کہ ان سے منسوب ہر مخصوص سائنسی تعبیر کے لیے مفہوم القرآن کے اصل مطبوعہ نسخے سے متعلقہ جلد اور صفحہ کا حوالہ فراہم کیا جائے۔ اس کے ساتھ کلاسیکی تفاسیر میں اسی آیت کی توضیح اور جدید مستند فلکیاتی تحقیقات کو بھی سامنے رکھا جائے، تاکہ تقابلی مطالعہ محض عمومی تاثر کے بجائے مستند علمی بنیادوں پر قائم ہو۔

بالآخر سورج، چاند اور کائناتی حرکت سے متعلق قرآنی آیات انسان کو کائنات کے نظم، وقت کے حساب، قدرتِ الٰہی اور خالق کی حکمت پر غور کرنے کی دعوت دیتی ہیں۔ جدید فلکیات اس غور و فکر کے دائرے کو وسیع کر سکتی ہے اور کائنات کے مشاہداتی پہلوؤں کو زیادہ تفصیل سے سمجھنے میں مدد دے سکتی ہے، لیکن قرآن کے ہدایتی اور روحانی پیغام کی جگہ نہیں لے سکتی۔ چنانچہ رفعت اعجاز کی ''مفہوم القرآن'' میں ان آیات کا مطالعہ اس وقت زیادہ مؤثر اور علمی طور پر مضبوط ہوگا جب قرآنی نص، عربی زبان، کلاسیکی تفسیری روایت اور جدید فلکیاتی علم کو ان کے مناسب دائرۂ کار میں رکھتے ہوئے باہم مربوط کیا جائے۔ یہی متوازن طرزِ فکر قرآن کی کائناتی آیات کو عصرِ حاضر کے قاری کے لیے زیادہ با معنی، مؤثر اور قابلِ تدبر بناتا ہے۔

نباتات، بارش اور حیات کا باہمی تعلق:

قرآن مجید میں بارش، زمین کے زندہ ہونے، نباتات کے اگنے، مختلف اقسام کے پھلوں کے پیدا ہونے اور زمین سے متنوع حیات کے ظہور کا ذکر متعدد مقامات پر نہایت بامعنی انداز میں کیا گیا ہے۔ یہ تکوینی مظاہر قرآن مجید میں محض قدرتی واقعات کے طور پر بیان نہیں ہوئے بلکہ انہیں اللہ تعالیٰ کی قدرت، ربوبیت، حکمت اور تخلیقی نظام کی نشانیوں کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ سورۂ نحل، سورۂ مؤمنون، سورۂ انعام، سورۂ حج، سورۂ روم اور دیگر سورتوں میں بارش اور نباتات کے ذریعے زمین کے زندہ ہونے کا ذکر انسان کو غور و فکر اور تدبر کی دعوت دیتا ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ قرآن مجید انسان کو اپنے ارد گرد موجود مظاہرِ فطرت کو معمولی اور بے معنی سمجھنے کے بجائے ان میں قدرتِ الٰہی کی نشانیاں تلاش کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔

سورۂ نحل میں اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی اتارنے اور اس کے ذریعے مختلف قسم کی نباتات اور پھل پیدا کرنے کا ذکر فرمایا ہے۔ اسی طرح سورۂ مؤمنون میں پانی کے ذریعے نباتاتی حیات کے وجود میں آنے اور مختلف پھلوں اور درختوں کے پیدا ہونے کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ سورۂ انعام میں بارش کے ذریعے سبزہ، کھجور، انگور، زیتون اور انار جیسی مختلف نباتاتی پیداوار کا ذکر کرتے ہوئے انسان کو ان کے پھل، نشوونما اور تنوع میں غور کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔[18] ان آیات کا مجموعی مطالعہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ قرآن مجید بارش، زمین اور نباتاتی حیات کے درمیان ایک واضح باہمی تعلق کی طرف انسان کی توجہ مبذول کراتا ہے۔

جدید نباتاتی اور ماحولیاتی علوم نے پودوں کی زندگی اور نشوونما کے ان عوامل کا تفصیلی مطالعہ کیا ہے جن میں پانی، مٹی، روشنی، معدنی اجزا، درجۂ حرارت، ہوا اور دیگر قدرتی عوامل بنیادی کردار ادا کرتے ہیں۔ نباتات سورج کی روشنی، پانی اور فضا میں موجود بعض اجزا سے استفادہ کرتے ہوئے اپنی غذا تیار کرتے ہیں، جبکہ مٹی سے حاصل ہونے والے معدنی عناصر ان کی نشوونما میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ اسی طرح بارش پانی کے قدرتی چکر، زمین کی زرخیزی، دریاؤں اور زیرِ زمین پانی کے ذخائر اور نباتاتی حیات کے تسلسل میں بنیادی اہمیت رکھتی ہے۔ اس پورے نظام کا مطالعہ جدید علوم میں نہایت تفصیل سے کیا جاتا ہے۔

تاہم قرآن مجید ان قدرتی مراحل کی تفصیلی سائنسی تشریح پیش نہیں کرتا اور نہ ہی اس کا مقصد نباتاتی علوم کی باقاعدہ درسی کتاب فراہم کرنا ہے۔ قرآن ان مظاہر کے مجموعی نظم کی طرف انسان کی توجہ دلاتا ہے اور اسے اس حقیقت پر غور کرنے کی دعوت دیتا ہے کہ پانی، زمین، نباتات، پھل اور مختلف اقسام کی حیات ایک باہم مربوط نظام کے تحت وجود میں آتے ہیں۔ اس نظام کے مشاہدے کے ذریعے انسان کو اللہ تعالیٰ کی قدرت، ربوبیت اور حکمت کا شعور حاصل ہوتا ہے۔ یہی قرآن کے تکوینی بیانات کا بنیادی اور ہدایتی پہلو ہے۔

یہاں رفعت اعجاز کی ''مفہوم القرآن'' کے اسلوب کی اہمیت بھی نمایاں ہوتی ہے۔ جب ایسے قرآنی مقامات کو آسان اور عام فہم زبان میں بیان کیا جاتا ہے تو قاری کے لیے بارش، زمین، نباتات اور حیات کے باہمی تعلق کو قرآنی زاویۂ نظر سے سمجھنا آسان ہو جاتا ہے۔ خاص طور پر موجودہ دور میں، جب انسان قدرتی ماحول سے مسلسل فائدہ اٹھا رہا ہے اور اس کے نتیجے میں ماحولیاتی مسائل بھی پیدا ہو رہے ہیں، ان آیات کا مطالعہ انسان کو قدرتی نظام کے احترام اور اس کے ذمہ دارانہ استعمال کی طرف متوجہ کر سکتا ہے۔

ان آیات میں نباتات کے تنوع کا ذکر بھی خصوصی توجہ کا مستحق ہے۔ ایک ہی زمین اور ایک ہی پانی سے مختلف رنگ، ذائقے، خوشبو اور خصوصیات رکھنے والی نباتات کا پیدا ہونا قرآن مجید میں قدرتِ الٰہی کی نشانی کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ جدید نباتاتی علوم بھی یہ واضح کرتے ہیں کہ پودوں کی مختلف اقسام اپنے موروثی خواص، ماحول، مٹی، پانی اور دیگر عوامل کے باہمی تعامل کے نتیجے میں مختلف خصوصیات اختیار کرتی ہیں۔ قرآن اور جدید علم کے درمیان اس مقام پر ایک قابلِ غور تعلق ضرور قائم کیا جا سکتا ہے، لیکن اس تعلق کو کسی مخصوص سائنسی نظریے کی قطعی تائید کے طور پر پیش کرنے کے بجائے تدبر اور مشاہدے کے ایک وسیع میدان کے طور پر دیکھنا زیادہ مناسب ہے۔

بارش اور نباتات کا تعلق انسانی زندگی کے لیے بھی بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔ خوراک، مویشیوں کی پرورش، پھلوں اور سبزیوں کی پیداوار، جنگلات اور قدرتی چراگاہوں کا وجود، حتیٰ کہ بہت سے معاشی نظام بھی پانی اور نباتاتی حیات سے براہِ راست

وابستہ ہیں۔ اس اعتبار سے قرآن مجید کا بارش اور نباتات کے تعلق کی طرف بار بار توجہ دلانا انسان کو صرف قدرتِ الٰہی کے مشاہدے کی دعوت نہیں دیتا بلکہ اسے قدرتی وسائل کی قدر، حفاظت اور ذمہ دارانہ استعمال کا شعور بھی فراہم کرتا ہے۔

موجودہ دور میں پانی کی کمی، زمین کی زرخیزی میں کمی، جنگلات کی کٹائی، زرعی زمینوں کی آلودگی اور ماحولیاتی تبدیلی جیسے مسائل نے اس قرآنی تعلیم کی معنویت کو مزید نمایاں کر دیا ہے۔ اگر انسان پانی کو بے دریغ ضائع کرے، زمین کو آلودہ کرے اور نباتاتی وسائل کا غیر ذمہ دارانہ استحصال کرے تو اس کے اثرات صرف موجودہ نسل تک محدود نہیں رہتے بلکہ آنے والی نسلوں کے لیے بھی مشکلات پیدا کرتے ہیں۔ اس لیے قرآن مجید کے تکوینی اشارات کو انسانی ذمہ داری اور ماحولیاتی اخلاقیات کے ساتھ مربوط کر کے پڑھنا عصرِ حاضر میں خاص اہمیت رکھتا ہے۔[19]

اس مقام پر سائنسی اشارے کی درست تفہیم یہ ہے کہ قرآن مجید انسان کو قدرتی مظاہر کے مشاہدے اور ان میں غور و فکر کی دعوت دیتا ہے، جبکہ جدید علوم ان مظاہر کے طبعی اسباب، باہمی تعلقات اور عملی نظام کو زیادہ تفصیل سے سمجھنے میں مدد دیتے ہیں۔ دونوں کے دائرۂ کار مختلف ہونے کے باوجود ان کے درمیان ایک تعمیری علمی مکالمہ قائم کیا جا سکتا ہے۔ قرآن انسان کو یہ بتاتا ہے کہ کائنات اور حیات بے مقصد اور بے نظم نہیں، جبکہ جدید علم ان کے بعض مظاہر اور طریقۂ کار کو سمجھنے کے لیے مشاہدہ اور تحقیق کے ذرائع فراہم کرتا ہے۔

رفعت اعجاز کی "مفہوم القرآن" میں ایسے مقامات کا مطالعہ اس پہلو سے بھی اہم ہے کہ عام فہم تفسیری اسلوب کے ذریعے قرآنی تکوینی اشارات کو جدید قاری کے فکری ماحول سے جوڑا جا سکتا ہے۔ تاہم اس ربط میں یہ اصول ہمیشہ ملحوظ رہنا چاہیے کہ جدید علمی توضیحات قرآن کے اصل مفہوم کی جگہ نہیں لیتیں بلکہ اس کے تکوینی پہلوؤں پر غور و فکر میں معاون بنتی ہیں۔ اس طرح قرآن مجید کی آیات کو نہ محض سائنسی معلومات کا مجموعہ سمجھا جاتا ہے اور نہ جدید علمی تحقیقات سے بے تعلق رکھا جاتا ہے، بلکہ دونوں کو ان کے اپنے دائرۂ کار میں رکھتے ہوئے ایک متوازن علمی تعلق قائم کیا جاتا ہے۔

بالآخر نباتات، بارش اور حیات کے باہمی تعلق پر قرآنی اشارات یہ واضح کرتے ہیں کہ قرآن مجید انسان کو اپنے گرد پھیلی ہوئی دنیا کے مظاہر پر غور کرنے، ان کے باہمی ربط کو سمجھنے اور ان کے پیچھے کارفرما قدرتِ الٰہی کو پہچاننے کی دعوت دیتا ہے۔ جدید علوم اس غور و فکر کو مشاہداتی اور تحقیقی بنیادیں فراہم کر سکتے ہیں، جبکہ قرآن اسے اخلاقی، روحانی اور ہدایتی سمت عطا کرتا ہے۔ یہی جامع زاویۂ نظر رفعت اعجاز کی "مفہوم القرآن" میں سائنسی اشارات کے مطالعے کو معاصر علمی ضرورتوں سے جوڑتے ہوئے ایک مؤثر اور بامعنی تحقیقی جہت فراہم کرتا ہے۔

میزان، توازن اور ماحولیاتی شعور:

قرآن مجید نے کائنات کے نظم و توازن کو انسانی زندگی کے لیے ایک اہم نشانی اور ذمہ داری کے احساس سے جوڑا ہے۔ سورۂ رحمٰن کی آیات 7 تا 9 میں اللہ تعالیٰ نے آسمان کو بلند کرنے اور میزان قائم کرنے کا ذکر کرتے ہوئے انسان کو اس توازن میں تجاوز سے منع فرمایا ہے: "وَالسَّمَاءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيزَانَ ۝ أَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيزَانِ ۝ وَأَقِيمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيزَانَ"۔[20] ان آیات میں "میزان" محض وزن اور پیمائش کا محدود تصور نہیں بلکہ عدل، اعتدال، تناسب اور نظمِ کائنات کی ایک وسیع معنوی تعبیر بھی پیش کرتا ہے۔ اس کے ذریعے انسان کو یہ احساس دلایا گیا ہے کہ کائنات کا نظام ایک متوازن ترتیب کے تحت قائم ہے اور انسان اس نظام میں بے اعتدالی اور فساد پیدا کرنے سے روکا گیا ہے۔

میزان کے اس قرآنی تصور کو عصرِ حاضر کے ماحولیاتی مسائل کے تناظر میں دیکھا جائے تو اس کی معنویت مزید نمایاں ہو جاتی ہے۔ جدید ماحولیاتی علوم میں قدرتی نظام کے باہمی تعلق، حیاتیاتی تنوع، قدرتی وسائل کے متوازن استعمال، زمین کی قدرتی گنجائش اور ماحول کے تحفظ کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ جنگلات، پانی، مٹی، ہوا، حیوانات اور نباتات ایک دوسرے سے مربوط نظام کا حصہ ہیں۔ ان میں کسی ایک عنصر کے غیر متوازن استعمال یا شدید نقصان کے اثرات پورے ماحولیاتی نظام پر مرتب ہو سکتے ہیں۔ اگرچہ قرآن مجید کی "میزان" کو براہِ راست جدید ماحولیاتی اصطلاح قرار دینا درست نہیں، تاہم اس قرآنی تصور اور ماحولیاتی توازن کے درمیان ایک مضبوط اخلاقی اور فکری تعلق ضرور قائم کیا جا سکتا ہے۔

قرآن مجید انسان کو زمین پر تصرف کا اختیار دینے کے ساتھ ساتھ اسے ذمہ داری کا احساس بھی دلاتا ہے۔ سورۂ بقرہ میں انسان کو زمین کی آبادکاری اور اس کے وسائل سے استفادہ کی اجازت دی گئی ہے، لیکن دوسری طرف قرآن مجید زمین میں فساد برپا کرنے سے بھی منع کرتا ہے۔ سورۂ روم میں ارشاد ہے: "ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ"۔ اس آیت کی روشنی میں انسانی اعمال اور زمینی و بحری نظام میں پیدا ہونے والے فساد کے درمیان تعلق پر غور کیا جا سکتا ہے۔ اگرچہ آیت کا مفہوم صرف جدید ماحولیاتی آلودگی تک محدود نہیں، تاہم اس میں موجود "فساد" کا عمومی تصور موجودہ ماحولیاتی بحرانوں کے اخلاقی پہلو کو سمجھنے میں اہم رہنمائی فراہم کرتا ہے۔

عصرِ حاضر میں ماحولیاتی آلودگی، عالمی درجۂ حرارت میں اضافہ، موسموں میں غیر معمولی تبدیلی، پانی کے ذخائر میں کمی، جنگلات کی تیزی سے کٹائی، زمین کی زرخیزی میں کمی اور حیاتیاتی تنوع کے نقصان جیسے مسائل پوری انسانیت کے لیے سنگین چیلنج بن چکے ہیں۔ ان مسائل کے پس منظر میں انسانی ضرورت اور انسانی حرص کے درمیان فرق، وسائل کے منصفانہ استعمال اور آنے والی نسلوں کے حقوق جیسے سوالات بھی پیدا ہوتے ہیں۔ قرآن مجید کی تعلیمات انسان کو اس بات کی طرف متوجہ کرتی ہیں کہ قدرتی وسائل محض بے مقصد استعمال کے لیے نہیں بلکہ ایک ذمہ داری کے طور پر انسان کے اختیار میں دیے گئے ہیں۔

اس حوالے سے "میزان" کا تصور انسان کے لیے ایک اخلاقی ضابطے کی حیثیت اختیار کر لیتا ہے۔ اگر انسان قدرتی وسائل کے استعمال میں اعتدال اختیار کرے، پانی کو ضائع نہ کرے، زمین کو آلودہ کرنے سے بچے، جنگلات اور حیوانات کے تحفظ کو اہمیت دے اور اپنی ضروریات کو غیر محدود خواہشات میں تبدیل نہ کرے تو وہ دراصل قرآنی توازن کے تصور کی عملی صورت اختیار کر رہا ہوتا ہے۔ اس کے برعکس بے دریغ استحصال، آلودگی، فضول خرچی اور قدرتی وسائل کی غیر ذمہ دارانہ کھپت توازن کے اس اصول کے منافی رویے قرار پاتے ہیں۔

یہاں رفعت اعجاز کی "مفہوم القرآن" کے مطالعے کے لیے ایک اہم تحقیقی جہت سامنے آتی ہے۔ قرآن مجید کی تکوینی آیات کو صرف اس زاویے سے دیکھنا کافی نہیں کہ ان میں جدید سائنسی حقائق کی کوئی پیشگی خبر موجود ہے یا نہیں، بلکہ ان آیات کے اخلاقی، انسانی اور عملی مضمرات کو بھی سامنے لانا ضروری ہے۔ "میزان" جیسا قرآنی تصور ہمیں یہ سمجھنے میں مدد دیتا ہے کہ قرآن کا کائنات کے بارے میں بیان انسان کو اس کے طرزِ عمل کی ذمہ داری سے بھی آگاہ کرتا ہے۔ یوں کائنات کا نظم اور انسانی اخلاق ایک دوسرے سے مربوط ہو جاتے ہیں۔

رفعت اعجاز کے آسان اور عام فہم تفسیری اسلوب کی روشنی میں "میزان" کے تصور کو موجودہ دور کے ماحولیاتی مسائل سے جوڑنا قاری کے لیے قرآن کے پیغام کی معاصر معنویت کو واضح کر سکتا ہے۔ تاہم یہاں بھی یہ احتیاط ضروری ہے کہ قرآن

کے اصل مفہوم کو موجودہ ماحولیاتی اصطلاحات میں محدود نہ کر دیا جائے۔ ''میزان'' کا مفہوم جدید ماحولیاتی توازن سے کہیں وسیع ہے؛ اس میں عدل، اعتدال، تناسب، پیمائش اور نظم کے متعدد پہلو شامل ہیں۔ جدید ماحولیاتی شعور اس وسیع قرآنی تصور کی ایک معاصر تطبیقی جہت ہو سکتا ہے، خود اس کا مکمل مفہوم نہیں۔

اس زاویے سے ''مفہوم القرآن'' کا مطالعہ ہمیں یہ سمجھنے میں مدد دیتا ہے کہ قرآن مجید کی سائنسی اور تکوینی آیات کو صرف ''سائنسی پیش گوئیوں'' کے تناظر میں دیکھنا ان کے وسیع پیغام کو محدود کر دیتا ہے۔ ان آیات میں انسان کے لیے ایک اخلاقی دعوت بھی موجود ہے کہ وہ کائنات کے نظم کو سمجھے، اس کے وسائل کو ذمہ داری سے استعمال کرے اور اپنے طرزِ عمل سے زمین کے نظام میں فساد پیدا نہ کرے۔ چنانچہ رفعت اعجاز کے تفسیری کام میں سائنسی اشارات کی تفہیم کو ماحولیاتی ذمہ داری، انسانی اخلاق اور قدرتی نظام کے تحفظ کے وسیع تر تناظر میں دیکھنا زیادہ مفید اور بامقصد تحقیقی زاویہ ثابت ہو سکتا ہے۔

بالآخر ''میزان'' کا قرآنی تصور عصرِ حاضر کے انسان کو یہ پیغام دیتا ہے کہ کائنات محض استعمال کی ایک بے جان جگہ نہیں بلکہ ایک منظّم اور متوازن نظام ہے۔ انسان اس نظام کا حصہ بھی ہے اور اس کے بارے میں جواب دہ بھی۔ اس لیے قرآن مجید کی تکوینی تعلیمات سے استفادہ کرتے ہوئے جدید انسان کے لیے سب سے اہم سوال صرف یہ نہیں کہ کائنات کس طرح کام کرتی ہے، بلکہ یہ بھی ہے کہ انسان اس کائنات کے ساتھ کس ذمہ داری، اعتدال اور اخلاقی شعور کے ساتھ زندگی گزارتا ہے۔ یہی پہلو قرآن اور جدید ماحولیاتی شعور کے درمیان ایک مضبوط فکری اور اخلاقی ربط قائم کرتا ہے۔

سائنسی اشارات کی تفہیم: رفعت اعجاز کے منہج کا تجزیہ:

''مفہوم القرآن'' از رفعت اعجاز کے مجموعی تفسیری مزاج کا جائزہ لینے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ قرآن مجید کے مفاہیم کو عصرِ حاضر کے قاری کے لیے آسان، واضح اور قابلِ فہم انداز میں پیش کرنا اس کا نمایاں وصف ہے۔ اسی عمومی تفسیری مزاج کی روشنی میں سائنسی اور تکوینی اشارات کی تفہیم کے لیے بھی ایک ایسا اسلوب سامنے آتا ہے جس میں قرآنی آیات میں بیان کردہ مظاہرِ کائنات کو انسانی غور و فکر، مشاہدے اور تدبر کے ساتھ مربوط کرنے کی گنجائش موجود ہے۔ اس منہج کے بنیادی پہلوؤں میں عام فہم تعبیر، مظاہرِ فطرت میں غور و فکر، قدرتِ الٰہی کی معرفت اور عصرِ حاضر کے قاری کے علمی شعور سے معنوی ربط کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔[(21)]

عام فہم تعبیر کی خصوصیت اس اعتبار سے نہایت اہم ہے کہ قرآن مجید کی تکوینی آیات میں کائنات، انسانی وجود، حیوانات، نباتات، آسمانی اجرام اور قدرتی مظاہر کے متعلق متعدد اشارات موجود ہیں۔ جب ان آیات کی تشریح ایسی زبان میں کی جائے جو موجودہ قاری کی ذہنی سطح سے ہم آہنگ ہو تو وہ ان قرآنی بیانات میں موجود تدبری پہلوؤں کو زیادہ آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔ رفعت اعجاز کی ''مفہوم القرآن'' اسی ضرورت کو سامنے رکھتے ہوئے قرآن کے مفاہیم کو سادہ اور رواں اردو میں منتقل کرنے کی کوشش کرتی ہے، جس سے سائنسی شعور رکھنے والے جدید قاری کے لیے قرآنی آیات کے تکوینی پہلوؤں پر غور کرنے کی راہ ہموار ہوتی ہے۔

دوسرا اہم پہلو مظاہرِ کائنات میں تدبر ہے۔ قرآن مجید بارہا انسان کو آسمان و زمین کی تخلیق، رات اور دن کے اختلاف، بارش کے نزول، نباتات کے اگنے، حیوانات کی ساخت اور انسانی تخلیق جیسے مظاہر پر غور کرنے کی دعوت دیتا ہے۔ ان آیات کا مقصد محض مادی معلومات فراہم کرنا نہیں بلکہ انسان کے اندر غور و فکر، تعقل اور شعورِ بندگی پیدا کرنا ہے۔ چنانچہ سائنسی اشارات

کی درست تفہیم بھی اسی وسیع قرآنی مقصد کے تحت ہونی چاہیے۔ جدید علمی معلومات ان مظاہر کے بعض طبعی اسباب اور ظاہری نظام کو سمجھنے میں مدد دے سکتی ہیں، لیکن ان کا حتمی مقصد انسان کو قدرتِ الٰہی اور حقیقتِ وجود سے غافل کرنا نہیں بلکہ مزید غور و فکر کی طرف متوجہ کرنا ہے۔

تیسرا اہم پہلو معاصر قاری کے ساتھ معنوی ربط ہے۔ آج کا انسان کائنات اور انسانی جسم کے متعلق ایسی معلومات رکھتا ہے جو گزشتہ ادوار کے مقابلے میں کہیں زیادہ وسیع ہیں۔ اس لیے جب وہ قرآن مجید میں کائنات، انسانی تخلیق، پانی، نباتات یا اجرامِ فلکی کا ذکر پڑھتا ہے تو اس کے ذہن میں لازماً جدید علمی معلومات بھی موجود ہوتی ہیں۔ ایک معاصر تفسیر کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اس ذہنی پس منظر کو نظر انداز نہ کرے، بلکہ قرآن کے اصل پیغام کو محفوظ رکھتے ہوئے قاری کو ان آیات کے تکوینی اور تدبری پہلو سمجھنے میں مدد دے۔ مفہوم القرآن کی آسان اور توضیحی زبان اس مقصد کے حصول میں معاون ہو سکتی ہے۔

تاہم سائنسی اشارات کی تفسیر میں محض کسی جدید سائنسی تصور سے ظاہری مشابہت کو علمی معیار قرار نہیں دیا جا سکتا۔ کسی تعبیر کی صحت کا اصل معیار یہ ہے کہ وہ قرآن مجید کے اصل عربی متن، الفاظ کے لغوی مفہوم، آیت کے سیاق و سباق، قرآنی نظم، معتبر تفسیری روایت اور مستند علمی معلومات کے ساتھ کس حد تک ہم آہنگ ہے۔ اگر کوئی سائنسی تعبیر ان بنیادی اصولوں سے متصادم ہو تو صرف جدید سائنسی تصور سے اس کی مشابہت اسے درست تفسیری معنی نہیں بنا دیتی۔

اسی طرح جدید سائنسی علوم میں بھی نتائج کی نوعیت یکساں نہیں ہوتی۔ بعض سائنسی حقائق مضبوط مشاہداتی اور تجرباتی شواہد کی بنیاد پر مستحکم ہوتے ہیں، جبکہ بعض نظریات اور توضیحی تصورات مسلسل تحقیق، تجربے اور نظرِ ثانی کے مراحل سے گزرتے رہتے ہیں۔ اس لیے قرآن مجید کے قطعی اور مستقل مفہوم کو کسی ایسے سائنسی نظریے کے ساتھ اس طرح وابستہ کرنا مناسب نہیں جو مستقبل میں تبدیل یا مسترد ہو سکتا ہو۔ اگر ایسا کیا جائے تو ایک عارضی علمی نظریے کی تبدیلی سے قرآنی مفہوم کے بارے میں بھی غیر ضروری اشکالات پیدا ہو سکتے ہیں۔

اس کے برعکس زیادہ محتاط اور مضبوط طریقۂ تحقیق یہ ہے کہ پہلے آیت کے اصل مفہوم کو قرآن کے داخلی نظم، عربی لغت، معتبر تفسیری روایت اور سیاق و سباق کی روشنی میں متعین کیا جائے، پھر جدید سائنسی معلومات کی مدد سے اس کے تکوینی پہلوؤں پر غور کیا جائے۔ اس طریقے سے جدید علم قرآن کی تفسیر پر حاوی ہونے کے بجائے قرآن فہمی میں معاون کردار ادا کرتا ہے۔ یہی طرزِ فکر قرآن اور سائنس کے درمیان ایک متوازن اور علمی تعلق قائم کرنے میں زیادہ مؤثر ثابت ہو سکتا ہے۔

رفعت اعجاز کے منہج کا تحقیقی تجزیہ کرتے وقت ایک اور بنیادی احتیاط حوالہ جاتی صحت سے متعلق ہے۔ کسی مخصوص سائنسی اشارے کو رفعت اعجاز کی طرف منسوب کرنے کے لیے متعلقہ آیت، مفہوم القرآن کے اصل تفسیری متن، جلد اور صفحہ کا درست حوالہ فراہم کرنا ضروری ہے۔ اس کے بغیر کسی تعبیر کو مصنفہ کے منہج کا حتمی نمائندہ قرار دینا علمی اعتبار سے محتاط رویہ نہیں ہوگا۔ بالخصوص آن لائن دستیاب نسخوں اور مطبوعہ نسخوں کی جلد اور صفحہ بندی میں فرق ممکن ہے، اس لیے تحقیقی مقالے میں اصل مطبوعہ نسخے کو بنیادی ماخذ بنانا زیادہ مناسب ہے۔

اس تناظر میں رفعت اعجاز کے سائنسی تفسیری منہج کے مزید دقیق تعین کے لیے ہر متعلقہ آیت کا اصل تفسیری متن الگ سے جمع کر کے اس کا کلاسیکی تفاسیر سے تقابل کیا جانا چاہیے۔ اس کے بعد یہ دیکھا جائے کہ مصنفہ نے آیت کے مفہوم کی وضاحت میں لغوی، روایتی، عقلی یا تکوینی کس نوعیت کے پہلو کو زیادہ نمایاں کیا ہے اور جدید علمی معلومات کے ساتھ اس کا تعلق کس

انداز سے قائم ہوتا ہے۔ اس تحقیقی طریقے سے مفہوم القرآن میں سائنسی اشارات کی نوعیت محض عمومی تاثر کی بنیاد پر نہیں بلکہ اصل متن اور مستند حوالہ جات کی بنیاد پر متعین کی جا سکے گی۔

مجموعی طور پر رفعت اعجاز کے منہج کا جائزہ یہ واضح کرتا ہے کہ سائنسی اشارات کی مؤثر تفہیم کے لیے سادگیِ بیان، قرآنی تدبر، معاصر علمی شعور اور تفسیری اصولوں کے درمیان توازن ضروری ہے۔ قرآن مجید کے تکوینی بیانات کو جدید علم سے مربوط کرتے وقت نہ غیر ضروری تطبیق اختیار کی جائے اور نہ جدید علمی تحقیقات سے استفادے کا دروازہ بند کیا جائے۔ درست طرزِ عمل یہ ہے کہ قرآن کو بنیادی اور ہدایتی ماخذ سمجھتے ہوئے جدید سائنس کو مظاہرِ کائنات کے فہم میں ایک معاون علمی ذریعہ قرار دیا جائے۔ یہی متوازن منہج "مفہوم القرآن" کے سائنسی اشارات کے مطالعے کو علمی گہرائی، تحقیقی مضبوطی اور معاصر معنویت عطا کر سکتا ہے۔

کلاسیکی تفاسیر کے ساتھ تقابلی مطالعہ:

قرآن مجید کی کائناتی اور تکوینی آیات کی تفہیم میں کلاسیکی تفسیری ذخیرہ بنیادی علمی اہمیت رکھتا ہے۔ ابتدائی اور متقدم مفسرین نے ان آیات کی تشریح اپنے اپنے علمی مناہج کے مطابق کی۔ کسی نے قرآن مجید کی دوسری آیات اور احادیثِ نبویہ کو بنیاد بنایا، کسی نے صحابۂ کرام اور تابعین کے تفسیری اقوال سے استدلال کیا، بعض نے عربی زبان، لغت، نحو و بلاغت کو مرکزی حیثیت دی، جبکہ بعض مفسرین نے عقلی استدلال اور کلامی مباحث سے بھی استفادہ کیا۔ اس طرح کلاسیکی تفسیری روایت میں کائناتی آیات کی تشریح ایک ہی زاویے تک محدود نہیں رہی بلکہ اس میں لغوی، روایتی، عقلی، فقہی اور بلاغی جہات باہم جمع ہوتی رہی ہیں۔

امام طبری کی تفسیر میں آیات کی توضیح کے لیے مروی اقوال، آثار اور سلف کے تفسیری بیانات کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ وہ مختلف اقوال کو نقل کرنے کے بعد ان کے درمیان ترجیح قائم کرنے کی کوشش کرتے ہیں، جس سے ان کا تحقیقی اور روایتی منہج نمایاں ہوتا ہے۔[22] ابن کثیر کے ہاں قرآن کی تفسیر قرآن، احادیثِ نبویہ، آثارِ صحابہ اور اقوالِ تابعین کی روشنی میں کرنے کا رجحان نمایاں ہے۔ اس کے مقابلے میں قرطبیؒ کی تفسیر میں لغوی، فقہی اور احکامی مباحث زیادہ نمایاں نظر آتے ہیں۔ فخر الدین رازی نے آیاتِ کونیہ کی تشریح میں عقلی استدلال، فلسفیانہ سوالات اور کلامی مباحث سے بھی استفادہ کیا، جبکہ ابن عاشور نے زبان و بیان، سیاق، مقاصدِ شریعت اور قرآنی اسلوب کو خاص اہمیت دی۔ یہ مختلف مناہج اس حقیقت کی گواہی دیتے ہیں کہ قرآن مجید کی تفسیر ایک وسیع اور ہمہ جہت علمی میدان ہے۔

ان کلاسیکی تفسیری مناہج کے مقابلے میں رفعت اعجاز کی "مفہوم القرآن" کا اسلوب زیادہ آسان، رواں اور عام فہم دکھائی دیتا ہے۔ اس میں بنیادی توجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ قرآن مجید کے مفاہیم کو ایسی زبان میں پیش کیا جائے جسے موجودہ دور کا عام قاری، طالب علم اور غیر عربی داں شخص بھی نسبتاً آسانی سے سمجھ سکے۔ اس اعتبار سے مفہوم القرآن جدید اردو تفسیری ادب میں ایک اہم ضرورت پوری کرتی ہے، کیونکہ عصرِ حاضر کا قاری عموماً مختصر، واضح اور براہِ راست تعبیر کے ذریعے قرآنی پیغام تک رسائی چاہتا ہے۔

تاہم کلاسیکی تفاسیر اور مفہوم القرآن کے تقابلی مطالعے سے دونوں کے اسلوبی فرق کو سمجھنا بھی ضروری ہے۔ کلاسیکی تفاسیر میں کسی قرآنی لفظ کے متعدد لغوی احتمالات، مختلف روایات، سلف کے اقوال، نحوی و بلاغی نکات اور علمی اختلافات تفصیل

کے ساتھ محفوظ ہوتے ہیں۔ اس کے برعکس عام فہم تفسیری اسلوب میں مفہوم کو مختصر، واضح اور براہِ راست بیان کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ چنانچہ مفہوم القرآن کا مقصد کلاسیکی تفاسیر کی تمام تفصیلات کو دہرانا نہیں بلکہ ان کے بنیادی مفہوم کو موجودہ قاری کی ذہنی سطح اور زبان کے تقاضوں کے مطابق منتقل کرنا قرار دیا جاسکتا ہے۔

سائنسی اشارات کے حوالے سے یہ تقابل مزید اہمیت اختیار کر جاتا ہے۔ کلاسیکی مفسرین نے کائناتی آیات کی تشریح اپنے عہد کے دستیاب علمی وسائل، عربی زبان، روایات، عقلی استدلال اور مشاہداتی تصورات کی روشنی میں کی، جبکہ آج کے مفسر اور محقق کے سامنے فلکیات، طبیعیات، حیاتیات، طب، ارضیات اور دیگر علوم کے وسیع ذخائر موجود ہیں۔ اس لیے معاصر تفسیر کے لیے ضروری ہے کہ وہ کلاسیکی تفسیری روایت سے اپنا تعلق برقرار رکھتے ہوئے جدید علمی تحقیقات سے بھی مناسب اور محتاط انداز میں استفادہ کرے۔

رفعت اعجاز کی ''مفہوم القرآن'' کا سائنسی اشارات کے حوالے سے مطالعہ کرتے ہوئے یہی تقابلی زاویہ زیادہ مفید ثابت ہوتا ہے۔ پہلے یہ دیکھا جائے کہ متعلقہ آیت کا بنیادی مفہوم کلاسیکی مفسرین نے کس طرح بیان کیا، اس کے الفاظ کے لغوی اور سیاقی امکانات کیا ہیں، پھر یہ جائزہ لیا جائے کہ رفعت اعجاز نے اسی مفہوم کو موجودہ اردو قاری کے لیے کس انداز میں پیش کیا ہے اور جدید علمی معلومات اس آیت کے تکوینی پہلو کو سمجھنے میں کس حد تک معاون بنتی ہیں۔

اس تقابلی مطالعے سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ کلاسیکی تفسیری روایت اور جدید تفسیر ایک دوسرے کی ضد نہیں بلکہ مختلف علمی ادوار کی ضروریات کے مطابق قرآن فہمی کی مسلسل روایت کی نمائندگی کرتی ہیں۔ کلاسیکی تفاسیر قرآن کے لغوی، روایتی، عقلی اور بلاغی سرمائے کی حفاظت کرتی ہیں، جبکہ مفہوم القرآن جیسے معاصر تفسیری کام اس علمی سرمائے کو موجودہ قاری کی زبان اور ذہنی ضرورت کے مطابق منتقل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس لیے سائنسی اشارات کی تفہیم کے لیے زیادہ مؤثر منہج وہی ہوگا جو کلاسیکی اصولِ تفسیر کو بنیاد بناتے ہوئے رفعت اعجاز کے آسان اور تعلیمی اسلوب سے فائدہ اٹھائے اور ساتھ ہی جدید مستند علمی تحقیقات کو معاون ذریعہ کے طور پر استعمال کرے۔

یوں کلاسیکی تفاسیر اور مفہوم القرآن کے درمیان تقابلی مطالعہ نہ صرف رفعت اعجاز کے تفسیری منہج کو زیادہ واضح کرتا ہے بلکہ یہ بھی بتاتا ہے کہ قرآن مجید کی آیاتِ کونیہ کو عصرِ حاضر میں کس طرح علمی دیانت، تفسیری اصول اور جدید سائنسی شعور کے باہمی امتزاج سے سمجھا جاسکتا ہے۔ یہی متوازن طرزِ فکر قرآن کے ابدی پیغام کو جدید علمی دنیا کے سامنے مؤثر، سنجیدہ اور قابلِ اعتماد انداز میں پیش کرنے کی مضبوط بنیاد فراہم کرتا ہے۔

معاصر تقاضوں کے تناظر میں تنقیدی جائزہ:

عصرِ حاضر کا قاری ایسے علمی اور فکری ماحول میں قرآن مجید کا مطالعہ کرتا ہے جہاں سائنسی علوم نے انسانی زندگی، کائنات اور فطرت کے بارے میں اس کے تصور کو نہایت وسعت دے دی ہے۔ فلکیات، طبیعیات، حیاتیات، طب، ارضیات اور ماحولیاتی علوم میں ہونے والی مسلسل پیش رفت نے انسان کو کائنات کے ان مظاہر کے بارے میں نئی بصیرت عطا کی ہے جن کی طرف قرآن مجید نے مختلف مقامات پر غور وفکر اور تدبر کی دعوت دی ہے۔ اس صورتِ حال میں قرآن مجید کی تکوینی اور کائناتی آیات کو عصرِ حاضر کے علمی شعور سے بالکل الگ کرکے دیکھنا نہ تو مفید ہے اور نہ ہی موجودہ علمی تقاضوں سے ہم آہنگ۔ تاہم اس کے ساتھ یہ اصول بھی پیشِ نظر رہنا چاہیے کہ قرآن مجید کو ہر نئی سائنسی دریافت کا پیشگی بیان ثابت کرنے کی کوشش بھی

درست تفسیری منہج نہیں۔ قرآن ہدایت کی کتاب ہے؛ اس میں کائنات اور فطرت کے مظاہر کا بیان انسان کو غور و فکر، معرفتِ الٰہی اور حقیقتِ زندگی کی طرف متوجہ کرنے کے لیے ہے، نہ کہ اسے طبیعی اور حیاتیاتی علوم کی باقاعدہ درسی کتاب کے طور پر پیش کرنے کے لیے۔

اسی تناظر میں رفعت اعجاز کی ''مفہوم القرآن'' کی اہمیت مزید نمایاں ہو جاتی ہے۔ ان کا آسان، رواں اور عام فہم تفسیری اسلوب قرآن مجید کے پیغام کو جدید تعلیم یافتہ طبقے، طلبہ اور عام قارئین تک پہنچانے میں معاون ثابت ہوتا ہے۔ بالخصوص تکوینی اور کائناتی آیات کے حوالے سے ایسا اسلوب قاری کو قرآن کے ان پہلوؤں پر غور کرنے کی دعوت دیتا ہے جو انسانی مشاہدے، عقل اور علمی تجربے سے تعلق رکھتے ہیں۔ تاہم جدید قاری کی علمی ضرورت کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے بھی قرآنی مفہوم کی تعبیر میں علمی احتیاط، تفسیری اصولوں کی پابندی اور نص کی معنوی ساخت کا تحفظ ناگزیر ہے۔(23)

سائنسی اشارات کی تفہیم کے سلسلے میں معاصر محقق کے لیے تین بنیادی امور خصوصی اہمیت رکھتے ہیں۔

اول : قرآنی متن کی درست قراءت، عربی الفاظ کے اصل لغوی مفہوم، نحوی و بلاغی ساخت اور آیت کے سیاق و سباق کی مکمل رعایت کی جائے۔

دوم : مفسر کی طرف منسوب کسی بھی مفہوم یا سائنسی توضیح کو اس کے اصل تفسیری متن سے باقاعدہ طور پر اخذ کیا جائے اور مفہوم القرآن کے مطبوعہ نسخے کی جلد، صفحہ اور متعلقہ آیت کا درست حوالہ دیا جائے۔

سوم : جن سائنسی حقائق یا نظریات کو آیت کی توضیح کے لیے پیش کیا جائے، ان کی صحت معتبر اور مستند علمی ذرائع سے جانچی جائے، تاکہ محض قیاس، عمومی معلومات یا غیر مستند مواد کو علمی دلیل کا درجہ نہ دیا جائے۔

اسی اصول کی روشنی میں سائنسی اشارات کے مطالعے میں یہ بھی ضروری ہے کہ قطعی سائنسی حقائق اور ایسے نظریات کے درمیان واضح فرق رکھا جائے جو ابھی تحقیق اور تجربے کے مراحل سے گزر رہے ہوں۔ کسی عارضی یا متغیر سائنسی نظریے کو قرآن مجید کے قطعی مفہوم کے ساتھ اس طرح وابستہ کرنا کہ نظریے کی تبدیلی سے قرآنی مفہوم بھی متزلزل ہو جائے، علمی احتیاط کے خلاف ہے۔ اس کے برعکس ایک متوازن طرزِ تحقیق یہ ہے کہ پہلے آیت کے لغوی، تفسیری اور سیاقی مفہوم کو متعین کیا جائے، پھر اس کے تکوینی پہلو کو مستند علمی معلومات کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کی جائے۔

مزید برآں، سائنسی اشارات کی تحقیق میں کلاسیکی تفسیری ذخیرے سے استفادہ بھی ناگزیر ہے۔ طبری، ابن کثیر، قرطبیؒ، فخر الدین رازی، ابن عاشور اور دیگر مفسرین نے کائناتی اور تکوینی آیات کی جو لغوی، روایتی، عقلی اور بلاغی توضیحات پیش کی ہیں، ان کا مطالعہ کیے بغیر جدید سائنسی تعبیر کو حتمی قرار دینا تحقیق کے دائرے کو محدود کر دیتا ہے۔ کلاسیکی تفاسیر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی آیت کا بنیادی مفہوم کیا ہے، جبکہ جدید علوم اس کے بعض مشاہداتی اور تکوینی پہلوؤں کو مزید سمجھنے میں معاون ہو سکتے ہیں۔ اس طرح قدیم تفسیری روایت اور جدید علمی تحقیقات کے درمیان ایک متوازن اور بامعنی علمی ربط قائم کیا جا سکتا ہے۔

لہٰذا آئندہ تحقیقی مطالعات میں ہر سائنسی اشارے کے ساتھ قرآن مجید کی سورت اور آیت کا نمبر، مفہوم القرآن کی متعلقہ جلد اور صفحہ، بنیادی کلاسیکی تفسیری ماخذ اور مستند جدید علمی ماخذ ضرور درج کیا جانا چاہیے۔ اس طریقۂ تحقیق سے نہ صرف حوالہ جات کی صحت اور تحقیق کی قابلِ تصدیق حیثیت برقرار رہے گی بلکہ نتائج بھی زیادہ مضبوط، معتبر اور علمی اعتبار سے قابلِ اعتماد ہوں گے۔ یوں رفعت اعجاز کی ''مفہوم القرآن'' میں موجود سائنسی اشارات کا مطالعہ محض سائنسی مطابقت تلاش کرنے کے بجائے قرآن فہمی، تفسیری اصول، جدید علمی شعور اور انسانی تدبر کے درمیان ایک سنجیدہ اور تعمیری مکالمے کی صورت اختیار کر سکتا ہے۔

نتائج البحث:

زیرِ نظر تحقیق میں "مفہوم القرآن" از رفعت اعجاز کے تفسیری اسلوب اور اس میں موجود سائنسی و تکوینی اشارات کا معاصر علمی تقاضوں کی روشنی میں جائزہ لیا گیا۔ کلاسیکی تفسیری روایت، قرآنی آیات کے لغوی و سیاقی مفاہیم اور جدید سائنسی مباحث کے تقابلی مطالعے سے درج ذیل اہم نتائج سامنے آئے ہیں:

1. **مفہوم القرآن کی علمی و تفسیری اہمیت:**

رفعت اعجاز کی "مفہوم القرآن" اردو زبان میں قرآن فہمی کی ایک اہم اور قابلِ توجہ تفسیری کاوش ہے۔ اس کا اسلوب نسبتاً آسان، رواں اور عام فہم ہے، جس کے ذریعے قرآنی مفاہیم کو عصرِ حاضر کے قاری، خصوصاً طلبہ اور غیر عربی داں افراد کے لیے قابلِ فہم بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس کا تعلیمی اور توضیحی مزاج اسے محض لفظی ترجمے سے ممتاز کرتا ہے۔

2. **مفہوم القرآن کا تعارفی اور تدوینی پہلو:**

دستیاب کتابی معلومات کے مطابق مفہوم القرآن رفعت اعجاز کی تصنیف ہے اور متعدد جلدوں پر مشتمل ایک مکمل اردو ترجمہ و تفسیر کے طور پر معروف ہے۔ اس کی تدوین اور اشاعت نے اردو داں طبقے کے لیے قرآن کے مفاہیم تک رسائی کو نسبتاً آسان بنایا ہے۔ اس حوالے سے مستقبل کی تحقیقی کاوشوں میں اصل مطبوعہ نسخے کی جلد اور صفحہ بندی کو بنیادی حوالہ بنانا ضروری ہے۔

3. **سائنسی اشارات کی معاصر معنویت:**

مفہوم القرآن میں موجود تکوینی اور کائناتی اشارات کی اہمیت اس امر میں ہے کہ وہ جدید قاری کو قرآن مجید کے ان مقامات پر غور و فکر کی دعوت دیتے ہیں جہاں کائنات، انسانی وجود اور قدرتی مظاہر کا ذکر کیا گیا ہے۔ جدید علمی ماحول میں ان آیات کا مطالعہ قرآن اور انسان کے معاصر علمی شعور کے درمیان ایک بامعنی مکالمے کی بنیاد فراہم کر سکتا ہے۔

4. **قرآنی کائناتی آیات اور جدید سائنس کا تعلق:**

قرآن مجید کی کائناتی آیات جدید سائنسی علوم کے ساتھ تقابلی مطالعے کی وسیع گنجائش رکھتی ہیں۔ کائنات کی تخلیق، آسمانی اجرام، پانی اور حیات، انسانی تخلیق، نباتات اور دیگر مظاہر کے متعلق قرآنی بیانات جدید علوم کے بعض مشاہدات کے ساتھ قابلِ غور تعلق رکھتے ہیں۔ تاہم کسی آیت کو کسی ایک مخصوص سائنسی نظریے یا model تک محدود کرنا درست نہیں، کیونکہ سائنسی نظریات اور توضیحی models تحقیق اور تجربے کے ساتھ تبدیل بھی ہو سکتے ہیں۔

5. **اہم سائنسی و تکوینی موضوعات:**

پانی اور حیات، انسانی تخلیق و جنینی مراحل، شہد کی مکھی، نباتات، بارش، اجرامِ فلکی، کائناتی نظم اور "میزان" جیسے موضوعات قرآن اور جدید علم کے درمیان تقابلی مطالعے کے لیے نہایت اہم ہیں۔ ان موضوعات کے ذریعے یہ واضح کیا جا سکتا ہے کہ قرآن انسان کو محض معلومات فراہم نہیں کرتا بلکہ کائنات کے مشاہدے کو فکر، تدبر اور شعورِ خداوندی کے ساتھ مربوط کرتا ہے۔

6. **سائنسی اشارات اور سائنسی اعجاز میں بنیادی فرق:**

تحقیق سے یہ بات سامنے آئی کہ قرآنی آیات میں موجود سائنسی یا تکوینی اشارے اور "سائنسی اعجاز" کی اصطلاح کو یکساں نہیں سمجھنا چاہیے۔ ہر ایسی آیت جس کا مفہوم کسی جدید سائنسی حقیقت سے مطابقت رکھتا ہو، لازماً سائنسی اعجاز کی قطعی مثال نہیں بن جاتی۔ اس لیے علمی تحقیق میں سائنسی اشارے، سائنسی تطبیق اور سائنسی اعجاز کے درمیان واضح امتیاز قائم رکھنا ضروری ہے۔

7. **لغوی اور تفسیری اصولوں کی بنیادی حیثیت:**

کسی بھی سائنسی اشارے کی درست تفہیم کے لیے قرآن مجید کے اصل الفاظ، عربی لغت، نحوی و بلاغی ساخت، سیاق و سباق اور آیت کے مجموعی قرآنی مفہوم کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ محض کسی جدید سائنسی تصور سے ظاہری مشابہت کی بنیاد پر آیت کا مفہوم متعین نہیں کیا جا سکتا۔ اس لیے سائنسی تعبیر سے قبل کلاسیکی اور معتبر تفسیری مصادر سے استفادہ ضروری ہے۔

8. **جدید سائنسی models کی محدود حیثیت:**

جدید سائنسی theories اور models قرآن مجید کی تکوینی آیات کے بعض پہلوؤں کو سمجھنے میں معاون ثابت ہو سکتے ہیں، لیکن انہیں قرآن کے قطعی مفہوم کا واحد معیار قرار دینا علمی طور پر محتاط رویہ نہیں۔ سائنس کا میدان مشاہدے، تجربے اور مسلسل تحقیق سے وابستہ ہے، جبکہ قرآن مجید وحیِ الٰہی کی حیثیت سے ایک مستقل اور بنیادی ماخذ ہے۔ دونوں کے دائرۂ کار اور طریقۂ استدلال کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہی متوازن علمی مطالعہ ممکن ہے۔

9. **آسان اور معاصر تفسیری اسلوب کی افادیت:**

مفہوم القرآن کی آسان اور توضیحی زبان جدید قاری کے لیے قرآن فہمی میں معاون ثابت ہوتی ہے۔ بالخصوص طلبہ، نوجوانوں اور ایسے قارئین کے لیے جو عربی زبان سے براہِ راست استفادہ نہیں کر سکتے، سادہ اور رواں اردو میں قرآنی مفاہیم کی وضاحت ایک اہم علمی و دعوتی ضرورت پوری کرتی ہے۔ تاہم سادگی کے ساتھ علمی دقت اور اصل قرآنی مفہوم کی حفاظت بھی ضروری ہے۔

10. **کلاسیکی اور جدید علمی مناہج کے درمیان توازن:**

تحقیق سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ مفہوم القرآن کے سائنسی اشارات کا مؤثر مطالعہ اس وقت زیادہ نتیجہ خیز ہوگا جب اسے کلاسیکی تفسیری روایت اور جدید علمی تحقیقات دونوں کے ساتھ مربوط کیا جائے۔ طبری، ابن کثیر، قرطبیؒ، فخر الدین رازی، ابن عاشور اور دیگر مفسرین کے مناہج سے استفادہ کرتے ہوئے جدید سائنسی معلومات کو معاون علمی وسیلے کے طور پر استعمال کیا جا سکتا ہے۔

11. **قرآن کا بنیادی مقصد ہدایت ہے:**

سائنسی اشارات کے مطالعے کے باوجود یہ حقیقت بنیادی حیثیت رکھتی ہے کہ قرآن مجید کا اصل مقصد انسان کو ہدایت، توحید، اخلاق، تزکیۂ نفس اور ذمہ دارانہ زندگی کی طرف رہنمائی فراہم کرنا ہے۔ کائنات اور فطرت کے مظاہر کا ذکر بھی بالآخر انسان کو خالقِ کائنات کی معرفت، قدرتِ الٰہی کے شعور اور اپنی ذمہ داری کے احساس کی طرف متوجہ کرتا ہے۔

اس لیے قرآنی سائنسی اشارات کو قرآن کے مجموعی ہدایتی پیغام سے الگ کر کے نہیں دیکھا جا سکتا۔

12. **معاصر قرآن فہمی کے لیے متوازن منہج:**

مجموعی طور پر تحقیق اس نتیجے تک پہنچتی ہے کہ معاصر قرآن فہمی کے لیے ایسا متوازن تفسیری منہج زیادہ مؤثر ہے جو قرآنی نص، عربی زبان، سیاق و سباق، کلاسیکی تفسیری روایت، عقلی استدلال، انسانی مشاہدے اور مستند جدید سائنسی علم کے درمیان مناسب تعلق قائم کرے۔ نہ قرآن کو جدید سائنسی نظریات کے تابع کرنا درست ہے اور نہ جدید علمی تحقیقات کو قرآن فہمی سے مکمل طور پر خارج کرنا مناسب ہے۔

13. **قرآن اور سائنس کے درمیان تعمیری مکالمے کی ضرورت:**

قرآن اور سائنس کے تعلق کو محض سائنسی اعجاز ثابت کرنے تک محدود کرنے کے بجائے اسے ایک وسیع علمی اور فکری مکالمے کے طور پر دیکھا جانا چاہیے۔ اس مکالمے میں کائنات کے نظم کے ساتھ ساتھ انسانی ذمہ داری، ماحول کے تحفظ، علم کی قدر، اخلاقی شعور اور قدرتی وسائل کے درست استعمال جیسے موضوعات بھی شامل کیے جا سکتے ہیں۔ اس طرح قرآن کے تکوینی اشارات عصرِ حاضر کے انسان کے لیے زیادہ جامع اور بامعنی رہنمائی کا ذریعہ بن سکتے ہیں۔

14. **مفہوم القرآن کے مزید تحقیقی امکانات:**

موجودہ مطالعے سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ مفہوم القرآن از رفعت اعجاز پر سائنسی اشارات کے حوالے سے مزید تخصصی تحقیق کی وسیع گنجائش موجود ہے۔ بالخصوص سورت وار مطالعہ، منتخب سائنسی موضوعات کی تفصیلی تحقیق، کلاسیکی و جدید تفاسیر کے ساتھ تقابلی جائزہ اور جدید سائنسی تحقیقات کی روشنی میں رفعت اعجاز کے تفسیری منہج کا تجزیہ مستقبل کی اہم تحقیقی جہات بن سکتے ہیں۔

حاصل بحث

حاصلِ تحقیق یہ ہے کہ رفعت اعجاز کی ”مفہوم القرآن“ میں قرآن مجید کے تکوینی اور کائناتی مضامین کو معاصر قاری کے لیے قابلِ فہم بنانے کی نمایاں کوشش پائی جاتی ہے۔ اس تفسیر میں سائنسی اشارات کا مطالعہ قرآن کے پیغام کو جدید علمی شعور کے ساتھ مربوط کرنے کی ایک مفید جہت فراہم کرتا ہے، تاہم اس عمل میں علمی توازن، تفسیری اصول، لغوی تحقیق اور سائنسی معلومات کی صحت کو بنیادی اہمیت دینا ضروری ہے۔ قرآن کو جدید سائنس کی کتاب سمجھنے کے بجائے ہدایت کی کتاب سمجھتے ہوئے سائنسی اشارات کو تدبر، تحقیق اور معرفتِ الٰہی کے معاون پہلو کے طور پر دیکھا جائے تو یہ منہج زیادہ مضبوط، محتاط اور معاصر تقاضوں سے ہم آہنگ ثابت ہوتا ہے۔

سفارشات:

مذکورہ تحقیق کے نتائج کی روشنی میں مفہوم القرآن از رفعت اعجاز میں سائنسی اشارات کے مزید منظّم، جامع اور علمی مطالعے کے لیے درج ذیل سفارشات پیش کی جاتی ہیں:

1. **سورت وار تحقیقی مطالعے کی ضرورت:**

مفہوم القرآن میں موجود سائنسی اور تکوینی اشارات پر جامع سورت وار تحقیقات کی جائیں۔ ہر سورت میں آنے والی کائناتی، طبیعی، حیاتیاتی، ارضیاتی اور انسانی تخلیق سے متعلق آیات کو الگ سے جمع کر کے ان کے تفسیری مفہوم، علمی

دلالت اور معاصر سائنسی تناظر کا تحقیقی جائزہ لیا جائے۔ اس سے رفعت اعجاز کے سائنسی تفسیری منہج کی زیادہ واضح اور منظّم تصویر سامنے آسکے گی۔

2. **اصل ماخذ اور مکمل حوالہ جات کی پابندی:**

مفہوم القرآن سے استفادہ کرتے وقت رفعت اعجاز کے اصل مطبوعہ نسخے کو بنیادی ماخذ قرار دیا جائے اور ہر متعلقہ آیت کے ساتھ جلد، صفحہ، سورت اور آیت نمبر لازماً درج کیا جائے۔ اس کے ساتھ ایڈیشن، ناشر اور سنِ اشاعت کی وضاحت بھی کی جائے، تاکہ تحقیق کی حوالہ جاتی صحت برقرار رہے اور آئندہ محققین کے لیے اصل مقام تک رسائی آسان ہو۔

3. **مستند سائنسی مصادر سے استفادہ:**

قرآن مجید کی سائنسی اشارات سے متعلق بحث میں محض عمومی معلومات، غیر مستند ویب سائٹس یا مقبول عام تحریروں پر انحصار کرنے کے بجائے مستند سائنسی کتب، جامعات کی تحقیقی مطبوعات، معتبر انسائیکلوپیڈیاز اور peer-reviewed تحقیقی مقالات سے استفادہ کیا جائے۔ خاص طور پر فلکیات، طبیعیات، حیاتیات، طب، ارضیات اور ماحولیاتی علوم سے متعلق دعووں کے لیے متعلقہ شعبے کے مستند ماہرین اور جدید تحقیقی لٹریچر کو بنیاد بنایا جائے۔

4. **سائنسی اعجاز اور سائنسی تفسیر میں امتیاز:**

"سائنسی اعجازِ قرآن"، "سائنسی تفسیر" اور "سائنسی اشارات" جیسی اصطلاحات کی واضح علمی اور اصطلاحی تعریفیں متعین کی جائیں۔ ہر سائنسی مطابقت کو لازماً اعجاز قرار دینے سے گریز کیا جائے اور یہ واضح کیا جائے کہ کسی آیت میں موجود تکوینی اشارہ، کسی ثابت شدہ سائنسی حقیقت سے مطابقت، اور کسی متغیر سائنسی نظریے کے ساتھ تطبیق — تینوں ایک ہی درجے کی چیزیں نہیں ہیں۔ اس امتیاز سے قرآن و سائنس کے مباحث میں علمی توازن اور تحقیقی دیانت پیدا ہوگی۔

5. **کلاسیکی اور معاصر تفاسیر کا تقابلی مطالعہ:**

مفہوم القرآن کے سائنسی اشارات کا تقابلی مطالعہ کلاسیکی تفاسیر مثلاً طبری، ابن کثیر، قرطبی، فخر الدین رازی اور معاصر تفاسیر، خصوصاً ابن عاشور اور دیگر جدید تفسیری کاوشوں کے ساتھ کیا جائے۔ اس تقابل کے ذریعے یہ معلوم کیا جا سکتا ہے کہ کسی تکوینی آیت کا بنیادی مفہوم کلاسیکی تفسیری روایت میں کیا تھا، رفعت اعجاز نے اسے کس انداز سے بیان کیا اور جدید علمی تناظر نے اس کی تفہیم میں کیا نئے امکانات پیدا کیے ہیں۔

6. **لغوی اور سیاقی تحقیق کو بنیادی حیثیت:**

سائنسی اشارات کی تفسیر میں جدید سائنسی معلومات سے پہلے قرآن کے اصل الفاظ، عربی لغت، نحوی و بلاغی ساخت، سیاق و سباق اور قرآن کے مجموعی اسلوب کو ملحوظ رکھا جائے۔ کسی جدید سائنسی نظریے کو آیت کے مفہوم پر مسلط کرنے کے بجائے پہلے آیت کا مستند لغوی و تفسیری مفہوم متعین کیا جائے اور اس کے بعد جدید علم کے ساتھ اس کا تقابلی مطالعہ کیا جائے۔

7. **قرآن اور سائنس کے تعلق کو وسیع تر تناظر میں دیکھا جائے:**

قرآن اور جدید سائنس کے تعلق کو صرف "اعجازِ قرآن" یا سائنسی پیش گوئیوں کے دائرے تک محدود نہ رکھا جائے،

بلکہ ماحولیات، انسانی صحت، اخلاقی ذمہ داری، قدرتی وسائل کے تحفظ، انسانی تخلیق، کائناتی نظم، علم کی قدر و منزلت اور انسان کی ذمہ داری جیسے وسیع موضوعات کو بھی اس بحث کا حصہ بنایا جائے۔ اس سے قرآن اور جدید علم کے تعلق کی زیادہ متوازن اور بامقصد تصویر سامنے آئے گی۔

8. **مفروضات اور ثابت شدہ سائنسی حقائق میں فرق:**

قرآنی آیات کی سائنسی تفہیم میں ثابت شدہ سائنسی حقائق اور عارضی یا مفروضاتی نظریات کے درمیان واضح فرق رکھا جائے۔ کسی ایسی سائنسی تھیوری کو قرآن کے قطعی مفہوم کے طور پر پیش نہ کیا جائے جس میں مستقبل میں تبدیلی یا نظرِ ثانی کا امکان موجود ہو۔ اس اصول کی پابندی قرآن کی آفاقیت اور سائنسی تحقیق کی تغیر پذیر نوعیت، دونوں کو مناسب طور پر ملحوظ رکھتی ہے۔

9. **بین العلومی تحقیقی منصوبوں کا آغاز:**

جامعات میں قرآن و سائنس کے موضوع پر بین العلومی تحقیق کو فروغ دیا جائے اور علومِ اسلامیہ کے محققین کے ساتھ طبیعیات، حیاتیات، طب، فلکیات، ارضیات اور ماحولیاتی علوم کے ماہرین کو مشترکہ تحقیقی منصوبوں میں شامل کیا جائے۔ اس اشتراک سے قرآنی آیات کے سائنسی پہلوؤں پر زیادہ مستند، متوازن اور تخصصی تحقیق سامنے آسکتی ہے۔

10. **تحقیقی معیار اور حوالہ جاتی نظام کی بہتری:**

قرآن و سائنس کے موضوع پر لکھے جانے والے تحقیقی مقالات میں حوالہ جات کے لیے ایک باقاعدہ علمی معیار اختیار کیا جائے۔ قرآنی آیات کے ساتھ سورت اور آیت نمبر، تفسیری مصادر کے ساتھ جلد و صفحہ، اور جدید سائنسی تحقیقات کے ساتھ مصنف، عنوان، جرنل، جلد، شمارہ، سال اور صفحات درج کیے جائیں۔ اس طرح تحقیق قابلِ تصدیق، قابلِ حوالہ اور علمی معیار کے مطابق بن سکے گی۔

11. **معاصر قاری کی علمی ضرورتوں کو پیشِ نظر رکھا جائے:**

رفعت اعجاز کی "مفہوم القرآن" کے آسان اور عام فہم اسلوب سے استفادہ کرتے ہوئے ایسے تحقیقی و تعلیمی مواد کی تیاری کی جائے جو جدید تعلیم یافتہ نوجوانوں کے لیے قرآن کے تکوینی اور سائنسی اشارات کو قابلِ فہم بنائے۔ تاہم آسانی کے ساتھ علمی دقت، تفسیری اصول اور حوالہ جاتی صحت کو بھی برقرار رکھا جائے۔

12. **مزید تخصصی تحقیقات کی حوصلہ افزائی:**

مفہوم القرآن از رفعت اعجاز کے سائنسی منہج پر ایم فل اور پی ایچ ڈی سطح کی مزید تحقیقات کی جائیں۔ خصوصاً "مفہوم القرآن میں انسانی تخلیق"، "مفہوم القرآن میں کائناتی اشارات"، "مفہوم القرآن میں حیاتیاتی اشارات"، "مفہوم القرآن میں ماحولیاتی شعور" اور "مفہوم القرآن کا جدید سائنسی تفاسیر کے ساتھ تقابلی مطالعہ" جیسے موضوعات مستقبل کی اہم تحقیقی جہات بن سکتے ہیں۔

13. **متوازن اور محتاط تفسیری منہج کو فروغ دیا جائے:**

مستقبل کی تحقیقات میں نہ تو قرآن کی کائناتی آیات کو جدید سائنس سے بالکل منفصل سمجھا جائے اور نہ ہر جدید دریافت کو قرآن کی قطعی پیش گوئی قرار دیا جائے۔ ایک متوازن منہج اختیار کیا جائے جس میں وحی کو بنیادی ماخذ، عربی زبان و

سیاق کو تفہیم کا ذریعہ، کلاسیکی تفسیری روایت کو علمی بنیاد اور مستند جدید سائنس کو معاون تقابلی وسیلہ سمجھا جائے۔ یہی رویہ قرآن فہمی اور جدید علمی تقاضوں کے درمیان ایک مضبوط اور بامعنی علمی پل قائم کر سکتا ہے۔

بالآخر یہ امر قابلِ توجہ ہے کہ قرآن مجید کا بنیادی مقصد انسان کو ہدایت، توحید، اخلاق، تزکیۂ نفس اور ذمہ دارانہ زندگی کی طرف رہنمائی فراہم کرنا ہے۔ اس لیے سائنسی اشارات کا مطالعہ بھی اسی وسیع قرآنی مقصد کے تحت ہونا چاہیے۔ جدید سائنسی علوم قرآن کی تکوینی آیات میں غور و فکر کے نئے امکانات ضرور پیدا کرتے ہیں، لیکن قرآن کی ہدایتی حیثیت کو سائنسی نظریات کے تابع نہیں کیا جا سکتا۔ رفعت اعجاز کی "مفہوم القرآن" کے مزید مطالعات میں اگر اس توازن کو پیشِ نظر رکھا جائے تو قرآن اور جدید علم کے درمیان ایک سنجیدہ، علمی اور تعمیری مکالمے کی راہ مزید ہموار ہو سکتی ہے۔

This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License.

حواشی و حوالہ جات

1. رفعت اعجاز، ڈاکٹر، مفہوم القرآن، لاہور: بیت القرآن، 2006ء، جلد چہارم، ص 45
2. ایضاً، ص 244
3. طبری، محمد بن جریر، جامع البیان عن تأویل آی القرآن، تحقیق: احمد محمد شاکر، قاہرہ: دار المعارف؛ ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، تفسیر القرآن العظیم، بیروت: دار طیبہ
4. راغب اصفہانی، حسین بن محمد، المفردات فی غریب القرآن، دمشق: دار القلم، 2009ء، ص 132
5. رازی، فخر الدین محمد بن عمر، مفاتیح الغیب، بیروت: دار إحیاء التراث العربی، 1420ھ، جلد 9، ص 123
6. طبری، محمد بن جریر، جامع البیان عن تأویل آی القرآن، جلد اول، ص 68؛ ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، تفسیر القرآن العظیم، ریاض: دار طیبہ، 1999ء، جلد اول، ص 104
7. رفعت اعجاز، ڈاکٹر، مفہوم القرآن، جلد چہارم، ص 45؛ ابن عاشور، محمد طاہر، التحریر والتنویر، تونس: الدار التونسیہ للنشر، 1984ء، جلد 3، ص 187
8. راغب اصفہانی، حسین بن محمد، المفردات فی غریب القرآن، دمشق: دار القلم، 2009ء، ص 628-232
9. طبری، محمد بن جریر، جامع البیان عن تأویل آی القرآن، جلد 18، ص 433؛ قرطبی، محمد بن احمد، الجامع لأحکام القرآن، جلد 11، ص 282
10. ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، تفسیر القرآن العظیم، جلد 5، ص 319؛ ابن عاشور، محمد طاہر، التحریر والتنویر، تونس: الدار التونسیہ للنشر، 1984ء، جلد 17، ص 63
11. رفعت اعجاز، ڈاکٹر، مفہوم القرآن، ، جلد چہارم، ص 45
12. ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، تفسیر القرآن العظیم، جلد 5، ص 340

13. ایضاً، ص 432
14. قرطبیؒ، محمد بن احمد، الجامع لأحکام القرآن، جلد 10، ص 133
15. ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، تفسیر القرآن العظیم، جلد 6، ص 570
16. رازی، فخر الدین محمد بن عمر، مفاتیح الغیب، جلد 26، ص 78
17. رفعت اعجاز، ڈاکٹر، مفہوم القرآن، جلد چہارم، ص 45
18. طبری، محمد بن جریر، جامع البیان عن تأویل آی القرآن، جلد 14، ص 154
19. ابن عاشور، محمد طاہر، التحریر والتنویر، جلد 14، ص 219
20. قرطبیؒ، محمد بن احمد، الجامع لأحکام القرآن، جلد 17، ص 117
21. رفعت اعجاز، ڈاکٹر، مفہوم القرآن، جلد چہارم، ص 45
22. طبری، محمد بن جریر، جامع البیان عن تأویل آی القرآن، جلد 1، ص 5
23. رفعت اعجاز، ڈاکٹر، مفہوم القرآن، جلد چہارم، ص 45